فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امّا بعد!

اس وقت دنیا میں دینِ اسلام کو نقصان پہنچانے والے فتنوں میں سے سر فہرست ''جمہوریت'' کا فتنہ پوری آب و تاب کے ساتھ قائم و دائم ہے، جس کی جڑیں پوری دنیامیں موجودہیں۔عالم اسلام کے علاقے بھی اس فتنہ سے محفوظ نہ رہ سکے ، ایک زمانہ تھا کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کے حکم کے علاوہ کسی اور کے حکم پر عمل کرنا تو درکنار اس کو تسلیم کرنے سے بھی انکاری نظر آتے تھے۔ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ مسلمان بھی اس فتنہ جمہوریت میں دانستہ ونادانستہ مبتلا ہو گئے اور مختلف طریقوں سے اس کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں، ظلم پر ظلم یہ کہ بعض لوگ تو اس کے اسلامی ہونے کی تگ ودو میں لگے ہوئے ہیں، اور " اسلامی جمہوریت " جیسی ملمع اصطلاح وضع کر کے اس جمہوریت کو اسلامی بنانے کی فکر میں مصروف عمل ہیں، حالانکہ جمہوریت کی حقیقت، اس کی تعریف، اس کے مقاصد، اس کے واضعین پر اگر غور وفکر کیا جائے تو روزِ روشن کی طرح یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جمہوریت (چاہے مغربی جمہوریت ہو یا ہمارے ہاں نام نہاد اسلامی جمہوریت) اپنے مقاصد و فلسفہ اور اصل وضع کے اعتبار سے نظریہ خلافت کی ضد ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کی بجائے غیر اللہ یعنی عوام اور پارلمینٹ کی حاکمیت اور بالادستی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ محققین علماء کرام نے جمہوریت کو کفر اور شرک کہا ہے۔

آج کا ایک بڑا المیہ یہ بھی ہے کہ قرآن و سنت کی واضح نصوص کو دیکھا نہیں جاتا ، ہر بات میں اکابر کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ جی! ہمارے اکابر کا حوالہ بتاؤ۔

ہمارے اکابر کو اللہ جزائے خیر دے کہ انہوں نے دیگر فتنوں کے ساتھ اس فتنہ جمہوریت کا بھی خوب تعاقب کیا ہے اور اس کی حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے ، وہ الگ بات ہے کہ آج کا دور سہولت پسندی کا دور ہے ، عام لوگ تو کجا علماء و طلبہ بھی کتابوں کا مطالعہ نہیں کرتے ، اِلاّ ماشاءاللہ۔

بندہ نے جمہوریت کے ردّ میں اپنے اکابر علماء دیوبند کی تحریرات بار بار پڑھی اور دیکھی تھیں لیکن یہ حوالے یکجا طور پر کسی کتاب و رسالہ میں جمع نہ تھے ، اس لئے بندہ نے دین کا درد رکھنے والے مختلف حضرات کے شدید اصرار پر ان حوالوں کو یکجا کر کے مرتب کیا۔ اب اس کو افادہ عام کے لئے کتابچہ کی شکل میں شائع کیا جا رہا ہے ، انصاف کی نظر سے دیکھنے والا ان شاء اللہ اس تحریر سے بہت کچھ فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری اس محنت کو اپنے دربارِ عالی میں قبول و منظور فرمائے۔

إنْ أُرِيدُ إلاّ الاصلاح ما استطعت وما توفيقي إلاّ بالله

مرتب:۔ ابو عبد اللہ حنفی دیوبندی
فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان،
۱۷ رجب المرجب ۱۴۳۸ھ

جمہوریت کا مختصر تعارف

قبل اس کے کہ جمہوریت کے رد میں اکابر علمائے کرام کے حوالے ذکر کئے جائیں، اوّلاً مختصر طور پر چند حوالوں سے جمہوریت کا ایک تعارف پیش کیا جاتا ہے تاکہ قارئین کے لئے سمجھنا آسان ہو۔

(۱) حضرت مولٰنا مفتی تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: عام طور سے جمہوریت کے متعلق لوگوں کے ذہنوں میں صرف اتنا خیال رہا کہ مطلق العنان بادشاہت کے مقابلے میں یہ نظام عوام کو آزادیٔ اظہارِ رائے عطاء کرتا ہے اور حکمرانوں پر ایسی پابندیاں عائد کرتا ہے جن کے ذریعے وہ بے مُہار نہ ہو سکے۔ اور چونکہ اسلام نے " مشاورت " کا حکم دیا ہے، اس لئے "جمہوریت " کو "مشاورت" کے ہم معنی سمجھ کر لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ "جمہوریت" عین اسلام ہے۔ حالانکہ بات اتنی سادہ نہیں، درحقیقت "جمہوری نظامِ حکومت" کے پیچھے ایک مستقل فلسفہ ہے جو دین کے ساتھ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا، اور جس کے لئے سیکولرزم پر ایمان لانا تقریباً لازمی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔

جمہوریت کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ جملہ مشہور ہے:

"IT IS A GOVERNMENT OF THE PEOPLE BY THE PEOPLE FOR THE PEOPLE"

جمہوریت عوام کی حکومت کا نام ہے جو عوام کے ذریعے اور عوام کے فائدے کے لئے قائم ہوتی ہے۔

لہٰذا " جمہوریت " کا سب سے بڑا رکنِ اعظم یہ ہے کہ اس میں عوام کو حاکمِ اعلیٰ تصوّر کیا جاتا ہے اور عوام کا ہر فیصلہ جو کثرتِ رائے کی بنیاد پر ہوا ہو وہ واجب اور

ناقابلِ تنسیخ سمجھا جاتا ہے۔ کثرتِ رائے کے اس فیصلے پر کوئی قدغن اور کوئی پابندی عائد نہیں کی جاسکتی۔ اگر دستورِ حکومت عوامی نمائندوں کے اختیار قانون سازی پر کوئی پابندی بھی عائد کردے (مثلاً یہ کہ وہ کوئی قانون قرآن وسنت کے یا بنیادی حقوق کے خلاف نہیں بنائے گی) تو یہ پابندی اس لئے واجب التعمیل نہیں ہوتی کہ یہ عوام سے بالاتر کسی اتھارٹی نے عائد کی ہے۔ یا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے جسے ہر حال میں ماننا ضروری ہے، بلکہ صرف اس لئے واجب التعمیل سمجھی جاتی ہے کہ یہ پابندی خود کثرتِ رائے نے عائد کی ہے۔ لہٰذا اگر کثرتِ رائے کسی وقت چاہے تو اسے منسوخ بھی کر سکتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ جمہوریت نے کثرتِ رائے کو (معاذ اللہ) خدائی کا مقام دیا ہوا ہے کہ اس کا کوئی فیصلہ رد نہیں کیا جاسکتا۔ چناچہ اسی بنیاد پر مغربی ممالک میں بد سے بدتر قوانین کثرتِ رائے کے زور پر مسلسل نافذ کئے جاتے رہے ہیں، اور آج تک نافذ کئے جارہے ہیں۔ زنا جیسی بدکاری سے لے کر ہم جنسی جیسے گھناؤنے عمل تک کو اسی بُنیاد پر سندِ جواز عطاء کی گئی ہے، اور اس طرزِ فکر نے دُنیا کو اخلاقی تباہی کے آخری سِرے تک پہنچا دیا ہے۔

[ماہنامہ البلاغ، شعبان ۱۴۱۰ھ بحوالہ: احسن الفتاوٰی: ص ۹۵، ۹۴، ج ۶، ط: ایچ ایم سعید]

(۲) مولانا عاصم صاحب حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

جمہوریت (Democracy) کیا ہے؟

چونکہ یہ ایک اصطلاح (Terminology) ہے جس کو خاص معنیٰ میں استعمال کیا جاتا ہے، لہٰذا اصطلاح کا اصول ہے کہ اس کی وہی تعریف معتبر ہوگی جو اس کو وضع کرنے والوں نے بیان کی ہے۔

Democracy کے معنیٰ

یہ لفظ اصلاً یونانی ہے جو دو لفظوں سے مل کر بنا ہے۔ Demos اور Kratos

Demos کے معنیٰ: People یعنی عوام

Kratos کے معنیٰ: Rule یعنی حاکمیت۔

یعنی Rule of the people یا عوام کی حاکمیت۔

جمہوریت کی تعریف:

Democracy: Free and equal representation of people.

A government in which the supreme power is vested in the people and exercised by them directly or indirectly through a system of representation usually involving periodically held free election.

Democracy System of Government: A system of government based on the principle of majority decision – making.

ترجمہ:۔

جمہوریت:۔ لوگوں کی آزاد اور مساوی نمائندگی۔

ایک ایسا نظامِ حکومت جس میں حاکمیتِ اعلیٰ عوام کے پاس ہوتی ہے اور عوام ہی بالواسطہ یا بلاواسطہ طریقے سے حکومت چلاتے ہیں۔ نظام میں عوام کی نمائندگی ہوتی

ہے جو بالعموم ہر کچھ عرصے بعد آزاد انتخابات کے ذریعے سے نمائندے چن کر کی جاتی ہے۔

جمہوری نظامِ حکومت: ایک ایسا نظامِ حکومت جو اکثریت کی بنیاد پر فیصلہ سازی کے اصولوں پر قائم ہو۔

ایک ایسا نظام جس میں حاکمیتِ اعلیٰ اللہ کی بجائے عوام کی ملکیت ہو (نعوذ باللہ) اور حکومت عوام کے ذریعے منتخب کی جائے، علم و تقویٰ کے اعتبار سے فرق ہونے کے باوجود بھی سب کی (یعنی ایک عالم اور ایک جاہل کی، ایک فاسق اور پابندِ شرع کی) رائے اس میں برابر ہو۔ ایک ایسی حکومت جس میں عقلِ انسانی ہی نظامِ زندگی بنانے والی اور انسانوں کے لئے ضابطہ حیات مرتب کرنے والی ہے، اس میں وحی کا کوئی دخل نہیں۔ جس چیز کو انسانی عقل و خواہش نفع قرار دے، وہ نفع ہے اور جس کو نقصان کہے وہ نقصان۔ جس چیز کو انسانی عقل و خواہش حرام (غیر قانونی) قرار دے دے وہ حرام اور جس کو حلال (قانونی) کہہ دے وہ حلال ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وحی (قرآن و سنت) کبھی اس عقل یا خواہش کے موافق ہو جائے لیکن اس نظام میں قرآن و حدیث (نعوذ باللہ) اس وجہ سے قابلِ عمل نہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کا فرمان ہے بلکہ انسان نے اس کو اس قابل سمجھا کہ اس پر عمل کیا جا سکتا ہے تو پھر اس کو قانون بنایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ جمہوریت کی تعریف یہ ثابت کرتی ہے کہ اس نظام میں انسانی عقل اور خواہشات کو قرآن و سنت (وحی) پر بھی بالادستی ہو گی۔

[ادیان: ص ۳۹، ۴۰]

(۳) مولٰنا عبد الرحمٰن کیلانی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

جمہوریت ایک لادینی نظام ہے اس کے علمبردار مذہب سے بیزار ہیں۔

”مغربی جمہوریت“میں پانچ ارکان ایسے ہیں جو شرعاً ناجائز ہیں:

(۱)خواتین سمیت تمام بالغوں کا حقِ رائے دہی (بالفاظِ دیگر سیاسی اور جنسی مساوات)

(۲)ہر ایک کے ووٹ کی یکساں قیمت

(۳)درخواست برائے نمائندگی اور اس کے جملہ لوازمات

(۴)سیاسی پارٹیوں کا وجود

(۵) کثرتِ رائے سے فیصلہ

ان ارکانِ خمسہ میں سے ایک رکن بھی حذف کر دیا جائے تو جمہوریت کی گاڑی ایک قدم بھی آگے نہیں چل سکتی ہے ۔جب کہ اسلامی نظامِ خلافت میں ان ارکان میں سے کسی ایک کو بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ لہٰذا یہ نظام ایک دوسرے کی ضد ہیں اور ایک دورسے سے متصادم ہیں۔یعنی نہ تو جمہوریت کو ” مشرف بہ اسلام“ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی نظامِ خلافت میں جمہوریت کے مروّجہ اصول شامل کرکے اس کے سادہ، فطری اور آسان طریقہ کار کو خواہ مخواہ ”مکدر اور مبہم“ بنایا جا سکتا ہے۔وجہ یہ ہے کہ جمہوریت ایک لادینی نظام ہے اور اس کے علمبردار مذہب سے بیزار تھے۔ جب کہ خلافت کی بنیاد ہی اللہ، اس کے رسول ﷺ اور آخرت کے تصوّر پر ہے اور اس کے اپنانے والے نہایت متقی اور بلند اخلاق تھے۔ ہمارے خیال میں جیسے دن اور رات یا اندھیرے اور روشنی میں سمجھوتہ ناممکن ہے، بالکل اسے ہی دین اور لادینی، خلافت یا جمہوریت میں بھی مفاہمت کی بات ناممکن ہے ۔ لہٰذا اگر جمہوریت (یا اس کے اصولوں) کو بہر حال اختیار کرنا ہے تو اسے توحید و رسالت کے بعد ہی اپنایا جا سکتا ہے۔“ [خلافت و جمہوریت، ص:۲۱۶۔۲۱۸]

(۴) مولٰنا الشیخ حسن قائد رحمۃ اللہ علیہ فاضل جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی "جمہوریت ایک دین جدید" نامی رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں:

عصرِ حاضر کی عظیم ترین مصیبت اور دینِ اسلام کو درپیش بڑی آزمائش مغرب کا یہ کفریہ نظام ہے جسے جمہوریت کہا جاتا ہے۔ اس کی پیدائش سر تا پا کفر میں غرق مغرب میں ہوئی، اس کی پرورش مغرب کے حیا سے عاری ماحول نے کی، اور فسق و فجور میں ڈوبی، اس دنیا میں یہ نظام اوجِ کمال تک پہنچا۔ اور آج یہ نظام مسلمانوں کی غفلت، ان کی حکومت کے ارتداد اور ان کے معاشروں کی کمزوری کے باعث مسلمان معاشروں میں پھیل چکا ہے، اس کے پھیلاؤ میں علماء کی خاموشی اور عوام کی جہالت نے بھی گہرا حصہ ڈالا ہے۔ إلّا من رحمَ الله

معاشرے میں صالح قوتوں کی فقدان کی وجہ سے جمہوریت کو مسلم علاقوں میں اپنے جھنڈے گاڑنے اور زہریلے عقائد پھیلانے کا موقع ملا۔ ہمارے ہاں دو قسم کے لوگوں نے اس کے لئے اپنا دامن پھیلا دیا اور بسر و چشم اسے قبول کیا۔ ایک تو بیوقوف اور نادان لوگ جو اس کفریہ نظام کے خوش نما دعووں سے دھوکے کا شکار ہو گئے اور دوسری قسم دھوکے باز مفسدین کی ہے جنہوں نے جان بوجھ کر اپنی قوم کو ہلاکت کی راہ پر ڈال کر ان کو جان کنی کی حالت تک پہنچا دیا۔ لہٰذا شوریٰ کے نام پر کفرِ اکبر نے رواج پکڑا، آزادی کے نعروں میں فحاشی پروان چڑھی، آزادئ اعتقاد کے بھیس میں الحاد و زندقہ نے جڑ پکڑی، حریتِ فکر کے نام پر جاہلوں میں دین پر طعن و تشنیع کی جرأت پیدا ہوئی اور آراء کے تنوع و تعدّد کی دلیل پر یہ امت مختلف گروہوں میں بٹ گئی۔ اور ان تمام قباحتوں کے باوجود اس دینِ جدید کی حمایت میں منبر و محراب تک سے آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ ہر قسم کے پڑھے، سنے اور دیکھے جانے والے وسائلِ نشر و توزیع

لوگوں کو اس دینِ جدید کو قبول کرنے کی دعوت دے رہے ہیں اور فوجوں کی فوجیں اس دین کی حمایت اور تنفیذ کی خاطر جمع کی جا رہی ہیں۔

اللہ کی قسم! یہی دینِ جمہوریت عصرِ حاضر کا سب سے بڑا بت اور فتنہ ہے جس کی آگ نے اسلام کے روشن چہرے کو گہنا دیا ہے اور اس شفاف چشمہ ہدایت کو گدلا دیا ہے اور اگر فساد فی الارض سے روکنے والے کچھ بچے کھچے اہل علم و ایمان نہ ہوتے، تو اس دینِ متین کو اس کے نام لیواؤں ہی کے ہاتھوں اکھیڑا جا چکا ہوتا اور اس عظیم محل کی بنیادیں تعمیر کرنے والے کدالوں ہی سے اسے زمین بوس کر دیا جاتا۔ لیکن اللہ رب العزت کا ارادہ یہی ٹھہرا کہ اپنے دین کی حفاظت کرے اور اپنی شریعت کو باقی رکھے اور اس مقصد کے لئے اپنے کچھ ایسے بندوں کو کھڑا کرے جو اپنی زبان اور تلوار سے اس دین کے دفاع کا کام سر انجام دیتے رہیں اور نبی ﷺ کے اس فرمان کا مصداق بنیں:

''لا تزال طائفة من امتی بامر الله لا یضرهم من خذ لهم ولا من خالفهم حتیٰ یأتی امر الله وهم ظاهرون علی الناس'' (متفق علیه)

'' میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا، انہیں بے یارو مددگار چھوڑنے والے انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے یہاں تک کہ اللہ کا امر (قیامت) آجائے گا جبکہ وہ لوگوں پر غالب ہونگے۔''

باقی رہی یہ بحث کہ جمہوریت آخر ہے کیا چیز جسے مغربی سیاستدان ان ہم پر لاگو کرنا چاہتے ہیں، سیکولر طبقے اس کے فروغ کے لئے تڑپے جا رہے ہیں اور جاہل مسلمان بھی اس کے پیچھے سرپٹ بھاگے جا رہے ہیں۔ بلکہ ان میں بہت سے مدعیانِ علم تو اس اجنبی اور متعفن نظام کو اسلامائز کر کے اسے شرعی سہارا دینا چاہتے ہیں۔ اس کج فہمی کی

وجہ سے ، کہ اسلام اور جمہوریت ایک حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں ہمیں کئی عجیب کلمات سنتے ملتے ہیں۔ جیسے جمہوری اسلام، یا اسلامی جمہوریت، یہ اور ایسی ہی عبارات جو جہلِ مرکب کی پیداوار ہیں اگرچہ کہ ان کے قائلین اعلیٰ فہم و فراست کے دعویدار ہی کیوں نہ ہوں۔

جب ہم جمہوریت کا جائزہ لیتے ہیں تو اس حقیقت تک پہنچتے ہیں کہ جمہوریت تو ایک مکمل و مستقل دین ہے۔ دیگر ادیان کی طرح اس کے اپنے مفاہیم، اصول و قواعد، نظریات اور اقدار ہیں۔ اس حقیقت کو جان لیا جائے تو بیان کردہ عبارتوں کی قباحت و بدصورتی اور نمایاں ہو جاتی ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہو گا جیسے کوئی کہے یہودی اسلام، عیسائی اسلامی یہودیت، اسلامی نصرانیت یا اسلامی مجوسیت بحوالہ[" جمہوریت ایک دینِ جدید"۸،۹]

(مزید تحریر فرماتے ہیں)۔ لہٰذا اس بات کو سمجھ لینا ضروری ہے کہ جمہوریت ہر اعتبار سے دینِ اسلام کی ضد ہے اور اسلام مخالف ادیان کی طرح ایک مکمل دین ہے۔ جمہوریت کی اس حقیقت کو جاننا اس لئے لازم ہے کہ وہ لوگ جو اس دینِ جدید کے پھیلائے جال میں الجھ کر رہ گئے ہیں انہیں اس بات کا حقیقی ادراک ہو سکے کہ جب وہ جمہویت کے تانے بانے اسلام کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کرتے ہیں تو در حقیقت اسلام کی توحید کو جمہوریت کے شرک کے ساتھ اور اسلام کے نور کو شرک کے اندھیروں کے ساتھ ملانے کے جرمِ عظیم میں ملوث ہوتے ہیں۔ بھلا اسلام کی اعلیٰ اقدار، پاکیزہ اخلاق اور عدل و انصاف کا خود ساختہ جمہوریت کے ظلم و جبر اور بے انصافیوں سے کیا تعلق؟ کیا تاریکیوں کا رشتہ اجالوں کے ساتھ جوڑا جا سکتا ہے؟ کیا اللہ کی غلامی و عبودیت (اسلام) اور خواہشاتِ نفس کی پیروی (جمہوریت) ایک ہو سکتے ہیں؟

لہٰذا جمہوری اسلام کے دعویداروں سے ہمارا پہلا سوال تو یہ ہے کہ تم ڈیمو کریسی کا لفظ اسلام میں ثابت کر کے دکھلاؤ۔ اس مقصد کے لئے عربی لغت کی تمام کتابیں چھان مارو، تمام اشعار عرب کو دیکھ لو، اہلِ فصاحت و بلاغت میں سے جس سے چاہو پوچھ لو بلکہ گاؤں میں رہنے والی بوڑھی عرب خواتین سے پتہ کرلو اور بادیہ نشین دیہاتیوں سے استفسار کر لو۔ کیا اصل و فصیح لغتِ عرب میں تمہیں ڈیمو کریسی کا لفظ مل سکتا ہے؟ فصیح تو کجا غیر فصیح لغت عرب میں بھی یہ لفظ تم نہیں پاؤ گے۔ ثابت ہوا کہ یہ لفظ ہماری زبان میں اجنبی ہے جو مغرب سے درآمدہ شدہ ہے۔ اسے گھڑنے والوں کے نزدیک اس کے خاص اصطلاحی معنی ہیں جن سے اسے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہماری زبان میں اس معنی کو" عوام کی حاکمیت " سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی ایک فقرے میں جمہوریت کا نچوڑ اور خلاصہ موجود ہے اور اگر اس معنی کو جمہوریت سے نکال دیا جائے تو جمہوریت کا وجود ہی باقی نہیں رہتا۔ تمام جمہوری نظام اگرچہ متعدد راہیں رکھتے ہیں لیکن ان سب کی منزل ایک ہے۔ یعنی" عوام کی حاکمیت" ۔ کوئی بھی مسلم یا غیر مسلم یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں جس جمہوریت کو مانتا ہوں وہ اس معنی سے عاری ہے اور عوام کی حاکمیت کا اقرار نہیں کرتی۔ اور اگر کوئی عقل سے عاری شخص یہ دعویٰ کرتا ہے تو اس کا حال اسی شخص کی طرح ہو گا جو یہ کہے کہ میں ایسی یہودیت کی طرف دعوت دے رہا ہوں جو اپنے بنیادی مضامین و معانی سے خالی ہے۔ تو کیا ایسے شخص کے دعوے کی تصدیق کی جائے گی؟ کیا کوئی مسلمان ایسی یہودیت کو ماننے کے لئے تیار ہو گا؟ دینِ جمہوریت میں عوام کو حاکم تصور کیا جاتا ہے، اس طور پر کہ عوام کی طاقت ہی اصل طاقت ہے اور عوام کا فیصلہ ہی نافذ العمل ہے۔ عوام کا ارادہ ہی دینِ جمہوریت میں رائج ہو گا اور عوام کے قوانین ہی لاگو و قابلِ احترام ہوں گے۔

اس نظام کے مطابق کسی کو جرأت نہیں کہ عوام کے حکم پر نظرِ ثانی کر سکے یا ان کے فیصلے کو ٹال سکے، گو کہ عوام اپنی حکمرانی میں کسی کے سامنے جوابدہ نہیں ہوں گے۔ [ص۱۰ و ص۱۱] (مزید تحریر فرماتے ہیں) البتہ مزید وضاحت کے لئے ہم جمہوریت کے بعض اہم امور کا تذکرہ کرنا چاہیں گے جو دینِ اسلام سے مکمل تضاد رکھتے ہیں۔ یہ اس لئے تاکہ ہمیں اس عظیم جرم کا ادراک ہو سکے جسے جمہوری اسلام کے دعویدار اسلام اور مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر کے انہیں ہلاکت کی راہوں پر دھکیلنا چاہتے ہیں، بلکہ دھکیل چکے ہیں اور آج حیرت و اضطراب اور نحوست و عذاب کی شکل میں امتِ مسلمہ اس جمہوری تماشے کا مزہ چکھ رہی ہے۔

اولاً: وہ بنیادی اصول جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہے، یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی نازل کردہ شریعت کو غیر مشروط طور پر تسلیم کر لیا جائے۔ اسی میں بندوں کا امتحان بھی ہے اور یہی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لئے کسوٹی بھی ہے۔ اگر بندہ اپنے رب کی غیر مشروط اطاعت نہ کرے تو وہ بندہ نہ ہوا۔ لہٰذا بندے کا یہ کام نہیں کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں اپنی عقل کے گھوڑے دوڑائے، اپنی عادت کو اس پر ترجیح دے، اپنے تجربے کی بنیاد پر حکمِ الٰہی سے سرتابی کرے یا اپنی رائے کو اللہ کے حکم کے مقابلے میں قابلِ احترام سمجھے۔ خواہ فرد ہو یا جماعت، پارلیمنٹ ہو یا عوام، کوئی قبیلہ ہو یا تنظیم، سب پر لازم ہے کہ اللہ کے احکامات کے سامنے جھک جائیں اور اس کی نازل کردہ شریعت کو دل و جان اور قلب و قالب سے تسلیم کر لیں۔ کوئی مسلمان خواہ کتنے ہی دعوے یا زعم کیوں نہ رکھتا ہو اس وقت تک حقیقی مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اسلام کی یہ حقیقت اس کے دل میں ثبت نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِّمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا'' [النساء:۱۲۵]

'' اور اس شخص سے اچھا دین کس کا ہو سکتا ہے جس نے خود کو اللہ کے (حکم کے) سامنے جھکا دیا اور وہ نیکو کار بھی ہے اور ملتِ ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کی جو یکسو تھے۔''

توجب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر کسی کے لئے اس بارے میں کوئی اختیار باقی نہیں رہتا، اللہ اور اسکے رسول ﷺ کے فیصلے کو من و عن تسلیم کر لینا اور اس کے سامنے جھک جانا ہر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللهُ وَرَسُوْلُه' أَمْراً أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَّعْصِ اللهَ وَرَسُوْلَه' فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالاً مُبِيْناً'' [الاحزاب:۳۶]

'' اور کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کوئی امر مقرر کر دیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کوئی اختیار سمجھیں اور جس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔''

یہی اسلام کا بنیادی اصول ہے جس کی طرف انتہائی تاکید کے ساتھ دعوت دی گئی ہے۔ جبکہ دینِ جمہوریت میں تو اسلام کے مندرجہ بالا اصول کو بالکل منہدم کر دیا گیا ہے۔ نظامِ جمہوریت میں بلکہ صحیح تر الفاظ میں دینِ جمہوریت میں انسانوں کو ہر قسم کے اختیارات حاصل ہوتے ہیں اور جب تک کوئی قانون پارلیمنٹ سے منظور نہ ہو اس وقت تک اس کو کوئی تقدس، احترام یا حیثیت حاصل نہیں ہوتی۔

آسمانوں سے نازل ہونے والے احکاماتِ الٰہی کہ جنہیں سن کر ہر مسلمان مرد و زن پر یہ کہنا واجب ہوتا ہے کہ ''**سمعنا واطعنا**'' ہم نے سُنا اور اطاعت کی۔ لیکن ان کے بارے میں جمہوریت کہتی ہے کہ ہم ابھی ان پر نظر ثانی کریں گے، بحث و مباحثہ ہوگا، ترمیم و اضافہ ہوگا۔ جسے چاہیں گے مانیں گے اور جسے چاہیں گے رڈ کریں گے۔ گویا دینِ جمہوریت میں اللہ رب العزت کے حقوق ارکانِ پارلیمنٹ کو تفویض کر دیئے گئے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شراب کو حرام قرار دیا ہے، اب اگر روئے زمین پر مشرق سے مغرب تک بسنے والے تمام جن و انس مل جائیں اور شراب کے جواز یا حرمت کا از سرِ نو جائزہ لیں تو صرف اسی بات پر وہ معاند کفار بن جائیں گے خواہ اس جائزے کے بعد اسے حرام ہی کیوں نہ قرار دیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہے جبکہ جمہوریت نے تو تمام احکاماتِ الٰہیہ پر نظرِ ثانی اور حک و تنسیخ کے دروازے چوپٹ کھول رکھے ہیں۔ پورا دین گویا کہ عوامی اختیار اور اور ارادے کا ماتحت ہو کر رہ گیا ہے کہ اگر عوام اُسے قبول کر لیں پھر تو یہ محترم و مقدس و قابلِ عمل دین قرار پائے گا اور اگر عوام اسے رد کر دیں تو نعوذ باللہ یہ بے وزن، بے وقعت اور مردود ٹھہرے گا۔ یہاں تک کہ جمہوریت کے بعض دعویداروں نے تو بصراحت کہا ہے کہ اگر عوام ملحد کمیونسٹ طرزِ حکومت اختیار کریں تب بھی ان کے اختیار کا احترام کیا جائے گا اور اگر خود عوام ہی اسلامی حکومت کو رد کر دیں تو تب بھی ان کی پسند و اختیار کو تقدیس حاصل ہو گی۔ جبکہ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

''وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ'' [الرعد:۴۱]

'' اللہ فیصلہ کرتا ہے، کوئی اس کے فیصلے پر نظرِ ثانی نہیں کر سکتا۔''

اس کے برعکس جمہوریت کہتی ہے کہ نہیں، ہزار بار نہیں، بلکہ عوام فیصلہ کرتے ہیں اور عوامی فیصلے کو چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔

قرآن کریم کہتا ہے:

''وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَمْراً أَنْ يَكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ '' [الاحزاب:۳۶]

'' اور کسی مؤمن مرد اور کسی مؤمن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول ﷺ کوئی امر مقرر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں۔''

جبکہ جمہوریت کہتی ہے نہیں، بلکہ عوام کو تمام اختیارات حاصل ہیں، حق وہ ہے جسے عوام قبول کریں اور باطل وہ ہے جسے عوام رد کردیں۔ عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اپنی مرضی سے جیسے چاہیں احکام و قوانین اختیار کریں۔

قرآن پاک میں اللہ کا فرمان ہے:

'' إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ إِذَا دُعُوْا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا '' (النور : ۵۱)

'' مؤمنوں کی تو یہ بات ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف بلائے جائیں تا کہ وہ ان میں فیصلہ کریں تو کہیں کہ ہم نے (حکم) سن لیا اور مان لیا۔''

جبکہ جمہوریت کہتی ہے کہ نہیں، بلکہ جب لوگوں کو عوامی فیصلے کی طرف بلایا جائے تو انہیں کہنا چاہیئے کہ **سمعنا و اطعنا** ، ہم نے سنا اور اطاعت کی۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''وَهُوَ الَّذِيْ فِي السَّمَآءِ إِلٰهٌ وَّفِي الْاَرْضِ إِلٰهٌ وَّهُوَ الْحَكِيْمُ الْعَلِيْمُ '' [الزخرف:۸۴]

" اور وہی ذاتِ باری تعالیٰ آسمان میں بھی معبود ہے اور اور زمین پر بھی معبود ہے۔"

لیکن نعوذ باللہ ! جمہوریت گویا اللہ تعالیٰ کو خطاب کرتے ہوئے کہتی ہے ٹھیک ہے آسمان تو تیرا ہے لیکن زمین عوام کی ہے اور اس پر حکمرانی اور قانون سازی کا حق بھی صرف عوام کو حاصل ہے۔ اللہ رب العزت نے سچ فرمایا:

" وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ " [یوسف:۱۰۶]

" اور اکثر لوگ اللہ پر ایمان کا (دعویٰ) رکھنے کے ساتھ اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہیں۔"

اللہ کی قسم ! جمہوریت تو قریش اور عرب کی انہی پامال راہوں پر گامزن ہے جو دورانِ حج کہا کرتے تھے:

" لبیک اللھم لبیک ، لبیک لا شریک لک لبیک ، إلاّ شریکاً تملکه وما ملک "

" حاضر ہیں اے اللہ ! ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے جو تیرا ہی ہے تو ہی اس کا مالک ہے اور اس کے اختیارات بھی تیری ملکیت ہے۔"

قرآن شریف نے واشگاف انداز میں مسئلہ حاکمیت کی حقیقت بیان کی ہے:

" فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا " [النساء:۶۵]

" تمہارے پروردگار کی قسم ! یہ لوگ تب تک مؤمن نہ ہونگے جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہو بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں۔"

اس آیت کے سبب نزول کے حوالے سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ دو آدمی اپنا جھگڑا نبی ﷺ کی عدالت میں لائے اور آپ ﷺ نے مستحق کے حق میں فیصلہ دے دیا تو جس کے خلاف فیصلہ ہوا اس نے کہا کہ میں اس پر راضی نہیں۔ دوسرے فریق نے پوچھا کہ پھر تم کیا چاہتے ہو؟ تو اس نے کہا کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فیصلہ کرانا چاہتا ہوں۔ وہ دونوں سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے انہیں بتایا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ نبی ﷺ میرے حق میں کر چکے ہیں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو فیصلہ نبی ﷺ نے کر دیا وہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ لیکن دوسرا فریق اب بھی راضی نہیں ہوا اور کہنے لگا کہ ہم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس جائیں گے۔ لہٰذا دونوں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور جس فریق کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے کہا کہ اس جھگڑے کا فیصلہ نبی ﷺ میرے حق میں کر چکے ہیں لیکن دوسرا فریق اس پر راضی نہ ہوا اور پھر ہم ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کا فیصلہ بہتر ہے لیکن دوسرے فریق نے ان کی بات ماننے سے بھی انکار کر دیا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے گھر چلے گئے۔ واپس نکلے تو ان کے ہاتھ میں بے نیام تلوار تھی جس سے انہوں نے اس شخص کا سر قلم کر دیا اور فرمایا کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فیصلے پر راضی نہ ہو اس کے لئے میرا فیصلہ یہی فیصلہ ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی:

"فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا" (تفسیر ابن کثیر: ۳۵۲/۲)

تو جب رسول اللہ ﷺ کے حکم پر نظرِ ثانی کی درخواست کرنے والے ایک شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ دو ٹوک فیصلہ صادر فرما دیا، حالانکہ اس نے

صرف ایک معاملہ میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے فیصلہ پر نظرِ ثانی کے لئے کہا تھا اور رجوع بھی ان عظیم القدر شخصیات کی طرف کیا تھا جو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد افضل ترین ہیں، تو ان لوگوں کا کیا معاملہ ہو گا جو دینِ جمہوریت کی طرف بلاتے ہیں جبکہ دینِ جمہوریت میں تو پورا اسلام ہی عوام کے ارادے پر معلق ہوتا ہے۔ عوام چاہے گی تو اس کا نفاذ ہو گا ورنہ نہیں۔ اس بدترین دینِ جمہوریت میں تو اللہ تعالیٰ کے قطعی احکامات مثلاً شراب، زنا اور فواحش کی آزادی کو بھی پارلیمان کے سامنے پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ غور کرے کہ آیا ان کی تحریم مناسب ہے یا تحلیل۔ احکامِ الٰہی پر نظرِ ثانی کرنے والے یہ ارکانِ پارلیمنٹ آخر کون ہیں؟ کیا یہ ابوبکر و عمر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمَا ہیں یا پاکباز و نیکوکار ہیں؟

اے جمہوری اسلام کی دعوت دینے والو! اللہ تعالیٰ ہم سے صرف یہ نہیں چاہتا کہ ہم شراب نوشی سے احتراز کریں، فواحش سے بچیں اور سود سے دور رہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ ہم ان منکرات سے پرہیز کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکامات تحریمی کو اللہ کا حکم سمجھ کر انہیں تسلیم کریں اور برضا و رغبت ان کے سامنے خود کو جھکا لیں۔ بصورتِ دیگر میں اللہ کی قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ اگر کسی ملک میں تمام ظاہری احکامات اس بنیاد پر نافذ کر دیئے جائیں کہ پارلیمنٹ نے اسے منظور کیا ہے اور انہیں محترم قانون کا درجہ دیا ہے نہ کہ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو ان شرعی احکام کا درجہ بھی باقی دنیاوی قوانین جیسا ہی کہلائے گا۔ کیونکہ شریعت تو لوگوں سے پوچھ کر نافذ نہیں کی جاتی اور جو چیز لوگوں سے پوچھ کر نافذ کی جائے وہ شریعت نہیں ہوتی۔ یہ تو پارلیمنٹ نامی ایک بولنے والے بت اور معبود کی طرف سے نازل کردہ احکام ہیں۔ تباہی اور ہلاکت ہو اس بت کے لئے بھی اور اس نافذ کردہ قانون کے لئے بھی۔

اسلامی جمہوریت کے دعویداروں کو یہاں رک کر جائزہ لینا چاہیئے کہ وہ خود کو کن تباہ کن گھاٹیوں میں گرا چکے ہیں ؟ اور اپنے اپنے علاقوں کے مسلمانوں کو کس طرح کی پر فتن کفریہ راہوں کی طرف دھکیل کر انہیں گمراہ کرتے اور ان کے جذبات سے کھیلتے ہیں۔

انہیں جان لینا چاہیئے کہ وہ دوراہے پر کھڑے ہیں جہاں حق و باطل کے مابین تطبیق و موافقت اور آمیزش کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک طرف تو واضح اور روشن اسلام ہے جس میں قلب و نظر اور اعضاء و جوارح اللہ تعالیٰ کے لئے مطیع ہوتے ہیں۔ اور دوسری طرف دینِ جمہوریت ہے جس میں انسانوں کی حاکمیت اور شیطان کی عبادت ہے۔ لوگوں کی مرضی ہے کہ جس راہ کو پسند کریں سو اختیار کرلیں البتہ قیامت کے دن ہونے والے اس سوال و جواب کے لئے تیار رہیں:

''اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ، وَاَنِ اعْبُدُوْنِيْ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ'' [یٰس: ٦٠۔٦١]

'' اے بنی آدم ! کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ تم شیطان کی عبادت مت کرنا، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، اور یہ کہ میری ہی عبادت کرنا یہی سیدھا راستہ ہے۔ ''[یٰس:٦٠۔٦١]

ثانیاً: ہر مسلمان کو یہ حقیقت معلوم ہے کہ ایمان کا پہلا اور عظیم ترین رکن، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے اور اس ایمان میں توحیدِ الوہیت، توحیدِ ربوبیت اور اللہ کے اسماء و صفات پر ایمان لانا شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ پر مسلمان پر ضروری ہے کہ وہ قطعی طور پر ایمان رکھے کہ حلال و حرام دینے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اس حق

میں کسی قسم کے مناقشے اور بحث کا اختیار حاصل نہیں کہ کسی چھوٹی سی چیز کو بھی حلال یا حرام قرار دے۔ یہ اختیار صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلَالٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ۔''

'' اور یونہی جھوٹ جو تمہاری زبانوں پر آتا ہے نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے لگو، یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کامیاب نہ ہونگے۔'' [النحل:۱۱۶]

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''قُلْ اَرَاَيْتُمْ مَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِنْ رِزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِنْهُ حَرَامًا وَّ حَلَالًا قُلْ آللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ۔'' [یونس:۵۹]

'' آپ کہہ دیجئے کہ بھلا دیکھو تو اللہ تعالیٰ نے جو تمہارے لئے رزق نازل فرمایا تو تم نے اس میں سے (بعض کو) حرام اور (بعض کو) حلال ٹھہرایا، (ان سے) پوچھو کیا اللہ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے یا تم اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہو۔'' [یونس:۵۹]

لہٰذا اللہ تعالیٰ کا یہ حق (حقِ تشریع) کسی غیر اللہ کو دینا کفرِ اکبر ہے جو ملت سے خارج کر دیتا ہے۔ جو شخص اللہ کے ماسوا کی تشریع (قانون سازی) کو مانتے ہوئے اس کے ٹھہرائے ہوئے حلال و حرام کی پیروی کرے اور اسے حلال اور حرام جانے تو وہ مشرک ہے جس کا نہ فرض مقبول ہے اور نہ نفل، یہاں تک کہ وہ توبہ کر لے اور توحیدِ خالص کی طرف رجوع کر لے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ یہ حقِ تشریع کسی فرد کو دیا جا رہا ہو یا کسی پارٹی، قبیلے، پارلیمان یا عوام کو۔ اسلام نے اس حقیقت کو انتہائی واضح اور دوٹوک انداز میں ثابت کیا ہے اور اس میں کسی قسم کی تشکیک یا تذبذب کی گنجائش

نہیں چھوڑی۔ یہ تمام کائنات اللہ کی مخلوق وملکیت ہے اور وہی رب العالمین ہے۔ لہٰذا کسی کو حق نہیں کہ اس کی ملکیت میں اپنا حکم چلائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔'' [الاعراف:۵۴]

'' سن لو کہ تمام مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کے ساتھ خالص ہے اللہ ربّ العالمین بہت برکت والا ہے۔''

یہ تو دینِ اسلام کی ایک مسلمہ حقیقت ہے جبکہ اس کے مقابلے میں جمہوریت کی بنیادی اساس ہی اسلام سے متصادم ہے، کیونکہ جمہوریت میں قانون سازی کا حق اللہ تعالیٰ کی بجائے انتہائی احترام وتقدیس کے ساتھ عوام اور عوامی نمائندگان کو سونپ دیا گیا ہے۔ لہٰذا دینِ جمہوریت میں حلال وہی ہے جسے عوامی نمائندگان حلال قرار دیں اور حرام وہی ہے جسے عوامی نمائندگان حرام ٹھہرائیں۔ اچھا وہ ہے جسے یہ اچھا کہیں اور برا وہ ہے جسے یہ برا کہیں۔ قانون وہی ہو گا جسے یہ پسند کریں اور شریعت وہی کہلائے گی جو اِن کی منظور کردہ ہو۔ یہ ایسا واضح ارتداد ہے جس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ [دینِ جمہوریت: ص۱۲ تا ص۱۹]

(مزید تحریر فرماتے ہیں)

اور ممکن ہے کہ وہ علماء اور درویش خود کو حلال و حرام کا فیصلہ کرنے والے نہ سمجھتے ہوں البتہ چند چیزوں میں عملاً انہوں نے ایسا کیا ہو۔ لیکن آج کل اہلیانِ پارلیمان تو پوری صراحت و جرأت کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اسے ہر قسم کی قانون سازی کا حق حاصل ہے۔ بلکہ یہ ان کی اولین ذمہ داری ہے۔ جب کوئی شخص منتخب ہو کر ایوان میں داخل ہو گیا تو گویا اسے رب کی صفات حاصل ہو گئیں، اس کی رائے مقدم ٹھہری۔ فکر کو تقدس حاصل ہوا۔ اب اسے مکمل آزادی اور تحفظ حاصل ہے کہ

اپنی خواہش اور رائے کے مطابق فیصلہ دے اور اپنی مرضی سے کوئی قانون تجویز کرے۔ جب تک وہ پارلیمنٹ کی چھت تلے موجود ہے تب تک اس کا محاسبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ واضح کفر اور صریح شرک ہے، خواہ وہ کوئی عملاً کوئی قانون سازی کرے یا نہ کرے۔ جس طرح خود ساختہ قانون سازی کرنا شرک ہے، اسی طرح اس کا حق اللہ کے سوا کسی دوسرے کو دینا بھی شرک ہے۔ یہ ربوبیت میں شرک کہلائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللهُ" [الشوریٰ: ۲۱]

[بحوالہ دین جمہوریت: صـ ۲۰]

(مزید تحریر فرماتے ہیں)

ثالثاً: دینِ اسلام پر کسی چیز پر حکم لگانا کہ یہ حق ہے یا باطل، جائز ہے یا ناجائز، حرام ہے یا حلال، اس دلیلِ شرعی کی بنیاد پر ہوتا ہے جو کتاب اللہ اور سنتِ نبوی ﷺ پر مشتمل ہے، جبکہ اجماع اور قیاس بھی اسی کے تابع اور اسی سے مستنبط ہوتے ہیں۔ ایسے احکام کا ثبوت محض عقل، ذوق، رغبت، صلاحیت یا تجربہ پر مبنی نہیں ہوتا۔ حق تو وہ ہے جو خالص اور پاکیزہ آسمانی احکام پر مبنی ہو۔ یہ کسی گروہ یا جماعت کی ملکیت نہیں خواہ وہ کیسے ہی اوصاف کے حامل کیوں نہ ہوں، چاہے وہ سیاست سے متعلق ہوں، چاہے اکثریت کے حامل ہوں، چاہے عربی ہوں اور چاہے عجمی۔ وہ صرف اس وجہ سے حق ہے کہ شریعت نے اسے حق کہا ہے۔ اور جو باطل ہے وہ اس لئے باطل ہے کہ شریعت اسے باطل قرار دیتی ہے۔ اگر آسمانوں اور زمینوں کے تمام لوگ اس بات پر جمع ہو جائیں کہ شریعت سے ثابت شدہ حق کو باطل اور باطل کو حق قرار دیں تو اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ حق، حق ہی رہے گا اور باطل، باطل ہی کہلائے گا۔ ہدایت کو

ہدایت ہی کہا جائے گا اور گمراہی، گمراہی ہی قرار پائے گی۔ جبکہ لوگوں کی قیاس آرائیوں اور اٹکل کی کوئی حیثیت نہیں۔

یہ بات اسلام سے ثابت ہے اور یہ عقیدہ رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اس کے برعکس دینِ جمہوریت میں کسی چیز کے صحیح یا باطل ہونے پر اور اس کے حسن اور قبح پر حکم لگانا پارلیمنٹ کی غالب اکثریت کا حق ہے۔ (یہ عین وہی مسئلہ نہیں جس کا ذکر سابقہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ پارلیمان کو تشریع و قانون سازی کا حق حاصل ہے۔ یہاں ہم یہ بات کر رہے ہیں کہ ارکانِ پارلیمنٹ کو اپنی مرضی و منشاء کے مطابق رائے دینے کا حق بھی حاصل ہے۔ یہ سابقہ مسئلے سے مختلف ہے اگرچہ اس کے مشابہ ضرور ہے۔)

عظیم ترین مصیبت تو یہ ہے کہ جب کوئی تجویز اکثریت کی حمایت سے منظور ہو جائے تو اسے تمام ارکانِ پارلیمنٹ کی جانب سے سمجھا جاتا ہے اور ہر رکنِ پارلیمنٹ کو اس کا رکن اور موافق سمجھا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ دینِ جمہوریت کے خد و خال کی داد و تحسین میں مگن ہیں مگر میں یہاں ایک مثال بیان کرتا ہوں جس کے ذریعے اس کا مکروہ چہرہ نمایاں ہو گا۔ مثلاً اگر کوئی گھٹیا ترین رکن پارلیمان دستور کی حدود میں رہتے ہوئے یہ تجویز پیش کرے کہ دو مردوں کو اعلانیہ طور پر شادی رچانے کی اجازت دی جائے اور اس سلسلے میں قانون منظور کیا جائے تو تمام ارکانِ پارلیمنٹ اس پر مناقشہ کرتے ہوئے اپنی اپنی رائے کا اظہار کریں گے۔ اپنی اپنی رائے دہی اور بحث کا اختیار استعمال کریں گے۔ پھر اس پر ووٹنگ ہو گی تاکہ یہ معلوم کیا جائے کہ اکثریت اس تجویز کی حمایت کرتی ہے یا مخالفت۔ اور اگر اکثریت اس کی حمایت میں ووٹ ڈال دے تو یہ تجویز ملکی قانون کا درجہ حاصل کر لے گی جسے ہر طرح کا احترام اور تقدس

حاصل ہو گا اور اس قانون کو پورے پالیمان سے منظور شدہ قرار دیا جائے گا، صرف اکثریت کی طرف سے نہیں۔

رسمی اعتراض تو صرف اس وقت تک ہوتا ہے جب تک وہ تجویز منظور نہ ہوئی ہو، مگر جب اکثریت کی حمایت سے کوئی قانون پاس ہو جائے تو پھر کسی کو اس پر اعتراض کا حق باقی نہیں رہتا۔ ایک دفعہ قانون منظور ہونے کے بعد تو اقلیت و اکثریت تمام ارکانِ پارلیمان پر واجب ہوتا ہے کہ اس پر ''آمنّا و صدقنا'' کہیں۔

اسلام پسند لوگوں کا پارلیمان میں جانا

یہ انتہائی خطرناک اور مہلک حقیقت ہے جس کی زد میں نام نہاد اسلامی ارکانِ پارلیمنٹ بھی آتے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ اس حقیقت کا ادراک نہیں رکھتے اور یہ گمان کرتے ہیں کہ اسلام پسند لوگوں کے پارلیمان میں جانے سے مفاسد کی روک تھام ہو گی اور اسلام کے بعض مفادات کی نگہبانی ہو سکے گی۔ مگر حقائق اس کے برعکس ہیں۔ اسی وجہ سے میں کہا کرتا ہوں کہ بالفرض اگر کسی پارلیمنٹ میں شرعی احکام کو محض جائزے ہی کے لئے پیش کیا جائے اور پھر ارکانِ پارلیمنٹ ان کے قبول و عدم قبول پر بحث کریں اور پھر ارکانِ پارلیمان کی اتفاق سے شرعی احکامات نافذ بھی کر دیئے جائیں تب بھی ارکانِ پارلیمنٹ کی شرکیہ کفریہ اور طاغوتی حیثیت ختم نہیں ہو گی۔ وہ شرعی احکام بھی خود ساختہ قوانین کہلائیں گے جو چند انسانوں کے اتفاق سے منظور ہوئے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ یہی ارکانِ پارلیمنٹ آئندہ اجلاس میں ان قوانین کو کالعدم قرار دیں یا ان کے بعد آنے والے لوگ مختلف آراء و خواہشات رکھنے کی وجہ سے انہیں ختم کر دیں۔ [ص:۲۷]

(شیخ حسن قائد رحمہ اللہ جمہوریت کی حقیقت بیان کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں) آخر میں ایک اہم بات کی تنبیہ کرنا چاہوں گا۔ ہم نے جمہوریت میں پائے جانے والے واضح نواقض بیان کئے تاکہ ایک مسلمان کے ذہن میں اس کی صحیح تصویر بن سکے ، اور وہ اس میں داخل ہو کر اپنے دین کو خسارے میں ڈالنے سے بچائے۔ کیونکہ یہی دین تو ایک مسلمان کی عزیز ترین متاع ہے اور اس میں نقصان عظیم ترین خسارہ ہے۔ لیکن اس کا یہ مقصد نہیں کہ ہم اشخاص پر حکم لگائیں۔ یہاں جو حکم جمہوریت پر لگایا گیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو شخص جہالت یا تأویل کی بناء پر اس جمہوری عمل میں شامل ہوتا ہے اس پر بھی یہی حکم لگایا جائے۔ علمی اور شرعی حقائق کا بیان ایک الگ چیز ہے اور اشخاص پر اس کا حکم لگانا ایک مختلف چیز۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہدایت پر ثابت قدم رکھے اور راہِ حق پر ہمارے دلوں کو جما دے، یہاں تک کہ ہم اس میں کوئی تبدیلی و تغیر کئے بغیر اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملیں۔ آمین۔ والحمد للہ ربّ العالمین۔ [جمہوریت ایک دین جدید: ص ۳۲]

(۵) علامہ سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

جمہوریت اور جمہوری عمل کا اسلام سے کیا تعلق؟ موجودہ جمہوریت تو سترہویں صدی کے بعد پیدا ہوئی ہے۔

[ماہنامہ سنابل مئی ۲۰۱۳ء]

مندرجہ بالا سطور میں جمہوریت کا مختصر تعارف پیش کیا گیا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جمہوریت غیر اللہ کی حاکمیت کا نام ہے، یہ اسلام کے سیاسی نظریہ خلافت کی ضد ہے۔ مغربی جمہوریت کی پوری حقیقت اور تفصیل ہمارے یہاں رائج اس نام نہاد اسلامی جمہوریت میں بطریقہ اتم پائی جاتی ہے، جس طرح وہاں قانون ساز اسمبلی ہوتی ہے،

پارلیمنٹ ہوتی ہے اس طرح ہمارے ہاں بھی ہے، جس طرح وہاں حزب اقتدار اور حزب اختلاف ہے ہمارے ہاں بھی ہے، جس طرح وہاں کثرتِ رائے سے فیصلہ کیا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح یہاں بھی ہوتا ہے، جس طرح وہاں قرآن و سنت کے مطابق فیصلے نہیں ہوتے اسی طرح ہمارے ہاں بھی پارلیمنٹ قرآن و سنت کے مطابق فیصلے نہیں کرتی، فیصلے تو درکنار قرآن و سنت کے واضح مسلمہ اصول و قواعد پر آئے دن ترمیم و تبدیلی کرتی چلی آرہی ہے۔

جمہوریت کے مختصر تعارف کے بعد اب جمہوریت کے ردّ میں

ہمارے اکابر علمائے دیوبند رحمۃ اللہ علیہم کی تحریرات ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) جمہوریت حکیم الامت حضرت مولنا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت مولنا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

حکیم الامت مولنا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تسلیم نہیں فرمایا کہ اسلام نے جمہوریت کی تعلیم دی ہے یا جمہوریت اسلام کے عین مطابق ہے، اس کے بجائے انہوں نے متعدد مواعظ و ملفوظات و تصانیف میں جمہوریت پر نہایت جاندار تنقیدیں کی ہیں اور اپنے دینی نقطہ نظر سے اس کی خرابیوں کو واضح فرمایا ہے۔ [ماہنامہ البلاغ، شعبان ۱۴۱۰ھ، بحوالہ: احسن الفتاوٰی: ص ۹۴ ج ۶]

ایک وعظ میں فرماتے ہیں: آج کل یہ عجیب مسئلہ نکلا ہے کہ جس طرف کثرتِ رائے ہو وہ بات حق ہوتی ہے۔

صاحبو! یہ ایک حد تک صحیح ہے مگر یہ بھی معلوم ہے کہ رائے سے کس کی رائے مراد ہے؟ کیا ان عوام کالانعام کی؟ اگر انہی کی رائے مراد ہے تو کیا وجہ تھی کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کی رائے پر عمل نہیں کیا، ساری قوم ایک طرف رہی اور

حضرت ہود علیہ السلام ایک طرف۔ آخر انہوں نے کیوں توحید کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار نہ کی؟ کیوں تفریق قوم کا الزام سر لیا؟ اس لئے کہ قوم جاہل تھی، اس کی رائے جاہلانہ تھی۔

[معارف حکیم الامت: /۵۷۷، ط: ادارۃ المعارف کراچی]

ایک موقع پر ارشاد فرماتے ہیں:

" مولنا محمد حسین الہ آبادی نے سر سید احمد خان سے کہا تھا کہ آپ لوگ جو کثرتِ رائے پر فیصلہ کرتے ہیں اس کا حاصل یہ ہے کہ حماقت کی رائے پر فیصلہ کرتے ہو، کیونکہ قانونِ فطرت یہ ہے کہ دنیا میں عقلاء کم ہیں اور بیوقوف زیادہ، تو اس قاعدے کی بناء پر کثرتِ رائے کا فیصلہ بے وقوفی کا ہو گا۔"

[تقلیل الاختلاط مع الانام: /۱۴، و معارف حکیم الامت: ۵۸۴، ط: ادارۃ المعارف]

مولنا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ "تقلیل الاختلاط مع الانام" نامی وعظ میں تحریر فرماتے ہیں:

" حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ جمہوری سلطنت کے حامی ہیں وہ بھی شخصیت ہی کے حامی ہیں مگر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے کبھی حکمی، فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخص واحد ہے مگر وہ واحد حکمی ہے حقیقی نہیں۔ تو یہ لوگ جس پارلیمنٹ کے فیصلوں کا اتباع کرتے ہیں اس میں گو بظاہر بہت سے آدمی ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخص واحد ہے۔ کیونکہ جو قانون پاس ہوتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے، پارلیمنٹ میں بھی ہر شخص آزاد نہیں کہ جو رائے دے دے وہی پاس ہو جایا کرے، اگر ایسا بھی ہوتا جب بھی کسی قدر آدمی کا دعویٰ صحیح ہوتا مگر وہاں تو پارلیمنٹ کے بھی ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں بلکہ اجتماعی رائے معتبر ہے اور اجتماعی رائے پھر شخصی رائے ہے کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ ہم شخص واحد حقیقی کے حامی ہیں اور تم شخص واحد حکمی کے حامی ہو، جمہوریت کے حامی تو تم بھی نہ رہے، جمہوریت اور آزادیٔ کامل تو جب ہوتی جب ہر شخص اپنے فعل میں آزاد ہوتا، کوئی کسی کا تابع نہ ہوتا، نہ ایک بادشاہ کا، نہ پارلیمنٹ کے دس ممبروں کا، یہ کیا آزادی ہے کہ تم نے لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو پارلیمنٹ کے دس ممبروں کی رائے کا تابع بنا دیا، ہم تو ایک ہی کا غلام بناتے تھے تم نے دس کا غلام بنا دیا، تم ہی فیصلہ کر لو کہ ایک کا غلام ہونا اچھا ہے یا دس بیس کا غلام ہونا؟ ظاہر ہے کہ جس شخص پر کسی ایک کی حکومت ہو وہ اس سے بہتر ہے جس پر دس بیس کی حکومت ہو ۔ یہ حاصل ہے جمہوری سلطنت کا کہ رعایا کی غلامی سے تو اسے بھی انکار نہیں مگر وہ یہ کہتی ہے کہ تم دس بیس کی غلامی کرو اور ہم یہ کہتے ہیں کہ صرف ایک کی غلامی کرو۔"

[ماخوذ از احسن الفتاویٰ:٦ / ١٠٣، کتاب الجہاد، جلد ٦، ط: ایچ ایم سعید،
معارف حکیم الامت: ص: ۵۸۱، ط: ادارۃ المعارف]

مزید تحریر فرماتے ہیں:

" شخصی سلطنت میں یہ خرابیاں بیان کی جاتی ہیں کہ اس میں ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام چھوڑ دیا جاتا ہے کہ وہ جو چاہے کرے حالانکہ ممکن ہے کہ کسی وقت اس رائے غلط ہو اس لئے ایک شخص کی رائے پر سارا انتظام نہ چھوڑنا چاہیئے بلکہ ایک جماعت کی رائے سے بھی کام ہونا چاہیئے، میں کہتا ہوں کہ جس طرح شخصی سلطنت کے بادشاہ کی رائے میں کبھی غلطی کا احتمال ہے اسی طرح جماعت کی رائے میں بھی غلطی کا احتمال ہے، کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ایک شخص کی رائے ہمیشہ غلط ہوا کرے اور دس کی رائے ہمیشہ صحیح ہوا کرے بلکہ ایسا بھی بکثرت ہوتا ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں ہزاروں آدمیوں کا ذہن نہیں پہنچتا۔ ایجاداتِ عالم میں اس کا رات دن مشاہدہ ہوتا ہے، کیونکہ جتنی ایجادات ہیں وہ اکثر ایک شخص کی عقل کا نتیجہ

ہیں، کسی نے کچھ سمجھا کسی نے کچھ سمجھا، ایک نے تار برقی کو ایجاد کیا، ایک نے ریل کو ایجاد کیا۔ تو موجد اکثر ایک شخص ہوتا ہے اور اس کا ذہن وہاں پہنچتا ہے جہاں صدہا ہزارہا مخلوق کا ذہن نہیں پہنچتا۔

علوم میں بھی یہ امر مشاہد ہے کہ بعض دفعہ ایک شخص کسی مضمون کو اس طرح صحیح حل کرتا ہے کہ تمام شراح و محشین کی تقریریں اس کے سامنے غلط ہو جاتی ہیں۔ تو جماعت کی رائے کا غلط ہونا بھی محتمل ہے۔ اب بتلایئے: اگر کسی وقت بادشاہ کی رائے صحیح ہوئی اور پارلیمنٹ کی رائے غلط ہوئی تو عمل کس پر ہو گا؟

جمہوری سلطنت میں کثرتِ رائے سے فیصلہ ہوتا ہے، بادشاہ اپنی رائے سے فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ کثرتِ رائے سے مغلوب ہو کر اُن کی رائے کی موافقت پر مجبور ہوتا ہے۔ اور شخصی سلطنت میں بادشاہ اپنی رائے پر ہر وقت عمل کر سکتا ہے، اور جمہوری حکومت میں اگر کثرتِ رائے غلطی پر ہوئی تو صحیح رائے پر عمل کرنے کی کوئی صورت نہیں، سب مجبور ہیں غلط رائے کی موافقت پر، اور یہ کتنا بڑا ظلم ہے، اس لئے یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ ''کثرتِ رائے پر فیصلہ دیا جائے'' صحیح رائے پر عمل کیا جائے خواہ وہ ایک ہی شخص کی رائے ہو۔ [معارف حکیم الامت: ص:۵۸۴،۵۸۳]

مزید ارشاد فرماتے ہیں:

''بعض لوگوں کو یہ حماقت سوجھی کہ وہ جمہوری سلطنت کو اسلام میں ٹھونسنا چاہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ اسلام میں جمہوریت ہی کی تعلیم ہے۔ اور استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں: ''وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ'' مگر یہ بالکل غلط ہے ان لوگوں نے مشورہ کے دفعات ہی کو دفع کر دیا اور اسلام میں مشورہ کا جو درجہ ہے اس کو بالکل

نہیں سمجھا، اسلام میں مشورہ کا درجہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا" کہ تم اپنے شوہر سے رجوع کرو"

قصہ یہ ہے کہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا پہلے باندی تھیں اور اسی حالت میں ان کا نکاح ایک شخص سے جس کا نام مغیث تھا ان کے آقا نے کر دیا تھا جب وہ آزاد ہوئیں تو قانونِ اسلام کے مطابق ان کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ جو نکاح حالتِ غلامی میں ہوا تھا اگر چاہیں اس کو باقی رکھیں اگر چاہیں فسخ کر دیں۔ اصطلاح شریعت میں اس کو خیار عتق کہتے ہیں۔ اس اختیار کی بناء پر حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے نکاح سابق کو فسخ کر دیا لیکن ان کے شوہر کو ان سے بہت محبت تھی، وہ صدمہ فراق میں مدینہ کی گلی کوچوں میں روتے پھرتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو ان پر رحم آیا اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: " اے بریرہ! کیا اچھا ہو کہ اگر تم اپنے شوہر سے رجوع کر لو" تو وہ دریافت فرماتی ہیں "یارسول اللہ! یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ؟ اگر حکم ہے تو مجھے بسر و چشم منظور ہے گو مجھ کو تکلیف ہی ہو" آپ نے فرمایا: " حکم نہیں مشورہ ہے" ۔ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے صاف عرض کر دیا " اگر مشورہ ہے تو میں اس کو قبول نہیں کرتی۔"

لیجئے! اسلام میں یہ درجہ ہے مشورہ کا، کہ اگر نبی اور خلیفہ بدرجہ اولیٰ رعایا کے کسی آدمی کو مشورہ دیں تو اس کو حق ہے کہ مشورہ پر عمل نہ کرے اور یہ محض ضابطہ کا حق نہیں بلکہ واقعی حق ہے۔ چنانچہ جب حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے مشورہ پر عمل نہ کیا تو حضور ان سے ذرا بھی ناراض نہ ہوئے اور نہ حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو کچھ گناہ ہوا، نہ اس پر کچھ عتاب ہوا۔ سو جب امت اور رعایا اپنے نبی یا بادشاہ کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے اسلام میں مجبور نہیں تو نبی یا خلیفہ رعایا کے مشورہ سے کیونکر مجبور ہو گا کہ رعایا جو مشورہ دے اسی کے موافق عمل کرے اس کے خلاف کبھی

نہ کرے پس ''وشاورھم فی الامر'' سے صرف یہ ثابت ہوا کہ حکام رعایا سے مشورہ لیا کریں یہ کہاں ثابت ہوا کہ اُن کے مشورہ پر عمل بھی ضرور کیا کریں۔ اور اگر کثرتِ رائے بادشاہ کے خلاف ہو جائے تو وہ کثیرین کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے مجبور ہے، اور جب تک یہ بات ثابت نہ ہو اس وقت تک ''وشاورھم فی الامر'' سے جمہوریت ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی۔

جب اسلام میں ایک معمولی آدمی کو بھی بادشاہ کا مشورہ ماننے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا تو تم بادشاہ کو رعایا کے مشورہ پر کیوں مجبور کرتے ہو؟ آخر اس کی کوئی دلیل بھی ہے یا محض دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔ اور ہمارے پاس حدیث بریرہ رضی اللہ عنہا سے دلیل موجود ہے کہ کسی کے مشورہ پر عمل کرنا ضروری نہیں خواہ نبی ہی کا مشورہ کیوں نہ ہو۔ اس سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اگر حکام رعایا سے مشورہ لیں، تو وہ ان کے مشورہ پر عمل کرنے کے لئے ہرگز مجبور نہیں ہیں، بلکہ عمل خود اپنی رائے پر کریں خواہ دنیا بھر کے مشورہ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، چنانچہ اس آیت میں آگے ارشاد ہے: ''فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ'' کہ مشورہ کے بعد جب آپ ارادہ کسی بات کا کریں تو خدا پر بھروسہ کر کے اس پر عمل کریں۔ یہاں ''فاذا عزمت'' صیغہ واحد ہے، معلوم ہوا کہ عزم میں حضور مستقل تھے اسی طرح آپ کا نائب یعنی سلطان بھی عزم میں مستقل ہے اگر عزم کا مدار کثرتِ رائے پر ہوتا تو ''فاذا عزمت'' نہ فرماتے اس کی بجائے ''إذا عزم اکثرکم فتوکلوا علی اللہ'' فرماتے۔ پس جس آیت سے یہ لوگ جمہوریت پر استدلال فرماتے ہیں اس کا اخیر جزو خود اُن کے دعوے کی تردید کر رہا ہے۔ مگر ان کی حالت یہ ہے ''حفظت شیئاً وغابت عنک اشیاء'' کہ ایک جزو کو دیکھتے ہیں، اور دوسرے جزو سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ دوسرے اس آیت میں صرف حکام کو یہ کہا

گیاہے کہ وہ رعایا سے مشورہ کر لیا کریں، رعایا کو تو یہ حق نہیں دیا گیا کہ از خود استحقاقاً حکام کو مشورہ دیا کرو، وہ مشورہ لیں یا نہ لیں۔۔۔ جب رعایا کو مشورہ دینے کا از خود کوئی حق بدرجہ لزوم نہیں۔ تو پھر اسلام میں جمہوریت کہاں ہوئی کیونکہ جمہوریت میں تو پارلیمنٹ کو از خود رائے دینے کا حق ہوتا ہے چاہے بادشاہ ان سے رائے لے یا نہ لے یہاں تک کہ اگر بادشاہ پارلیمنٹ سے بغیر رائے لئے کسی حکم کو نافذ کر دے تو اس پر چاروں طرف سے لے دے ہوتی ہے، کہ ہم سے بدوں مشورہ لئے یہ حکم کیوں جاری کیا گیا؟ بھلا رعایا کو یہ حکم اسلام میں کہاں دیا گیا ہے، ذرا کوئی صاحب ثابت تو کریں۔ پس یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ اسلام میں جمہوریت کی تعلیم ہے۔

[تقلیل الاختلاط مع الانام / ۴۸ بحوالہ معارف حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ / ۵۸۶ تا / ۵۸۸،]

[ط: ادارۃ المعارف کراچی]

یہ تھے ہمارے اکابر میں سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات وملفوظات جن کا کچھ حصہ ہم نے یہاں نقل کیا ورنہ ” تقلیل الاختلاط مع الانام “ نامی وعظ میں حضرت نے نہایت مفصّل انداز سے جمہوریت پر رد فرمایا ہے۔ سمجھنے والوں کے لئے اس قدر ارشادات کا دیکھ لینا بھی ان شاء اللہ کافی ثابت ہو گا۔

(۲) جمہوریت حضرت مولٰنا محمد ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

(ہمارے اکابر میں سے یہ وہ عظیم شخص ہیں کہ جب علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ صدر مہتمم اور قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دار العلوم دیوبند ہوئے۔ تو ان حضرات نے آپ کو بحیثیت شیخ التفسیر دارالعلوم آنے کی دعوت دی جو آپ نے قبول فرمائی۔ دس سال تک دار العلوم میں قیام کے دوران آپ نے تفسیر بیضاوی،

ابوداؤد، طحاوی جیسی کتابیں پڑھائیں۔) مولٰنا اپنی کتاب " اسلامی دستور" میں تحریر فرماتے ہیں:

طرزِ حکومت

اسلامی حکومت ملوکیت اور جمہوریت کے درمیان ایک معتدل راہ ہے

اسلامی حکومت کی بنیاد حق تعالیٰ کی فرماں برداری اور اس کے نافذ کردہ قانونِ شریعت پر ہے اور غیر اسلامی حکومت کی بنیاد غیر اللہ کی فرماں برداری اور مخلوق کے بنائے ہوئے قانون پر ہے۔

شریعت نے ایک طرف تو یہ حکم دیا ہے کہ امیر مملکت فلاں فلاں اوصاف کے ساتھ موصوف ہونا چاہیئے (جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے) اور دوسری طرف امیر مملکت کو یہ حکم دیا کہ امورِ سلطنت میں مشورہ کے لئے ایک ایسی مجلسِ شوریٰ قائم کرے جن کے ارکان اوصافِ مذکورہ کے ساتھ موصوف ہوں بعد ازاں امیرِ مملکت کو یہ حکم دیا کہ قانونِ شریعت کی پوری پوری پابندی کرو بعد ازاں رعایا کو یہ حکم دیا کہ ایسے امیر کی اطاعت تم پر فرض ہے۔ آج کل کی اصطلاح میں آزادی اور جمہوریت کا قیام قانون کی بالادستی پر ہے۔ جمہوریت کی نشو و نما بغیر اس کے ممکن نہیں اسی طرح حکومت کا قوام اور قیام قانونِ شریعت کی بالا دستی پر ہے۔ شریعت کہتی ہے کہ تم قانونِ شریعت کی اتباع کرو جو کمالِ عدل و انصاف اور کمالِ شفقت و رحمت پر مبنی ہے اور تمہارے تمام حقوق کا محافظ اور نگہبان ہے، اور تمہاری دینی و دنیوی اور اخروی مصلحتوں پر مشتمل ہے۔

غرض یہ کہ اسلامی حکومت میں نہ تو قیصر و کسریٰ جیسی ملوکیت اور شخصیت جبر و استداد ہے اور نہ موجودہ زمانے کی جمہوریت ہے جو ایسے الیکشن کے ذریعے سے معرض وجود میں آتی ہے کہ جس سے سارا ملک جنگ و جدال اور بغض و عناد کی آماجگاہ اور جولانگاہ بن جاتا ہے۔ اور حکومت پر ایسی جماعت کا قبضہ ہو جاتا ہے جس میں اکثریت عیاروں اور خود غرضوں کی ہوتی ہے، اور پھر جو ہوتا ہے وہ ہوتا ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔

ملوکیت کے مفاسد

ملوکیت اور شخصیت کے مفاسد سب پر عیاں ہیں محتاجِ بیاں نہیں، جن کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) شخصِ واحد تمام ملک کی قسمت کا اور اس کے سیاہ سفید کا مالک بن جاتا ہے۔

(۲) تمام ملک میں اسی کا حکم ناطق ہوتا ہے۔ کسی کو اس کے خلاف دم مارنے کی مجال نہیں گویا کہ سارا ملک اس کا غلام ہے۔ وہ ظلم کرے یا انصاف کرے، اس کے خلاف کسی کو لب کشائی کی اجازت نہیں۔

(۳) عہدہ سلطنت اس کی اولاد کی میراث بن جاتا ہے، خواہ وہ لائق ہو یا نالائق ۔ الغرض شخصیت اور ملوکیت کا قانون محض بادشاہ کی زبان ہوتی ہے اور تمام مخلوقِ خدا کی موت و حیات اور راحت و کلفت اس کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ تمام رعایا اس کی ذاتی خواہشات کا تختہ مشق ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں رعایا کے کیا حقوق ادا ہو سکتے ہیں۔ اور سلطنت کا صحیح نظام کیسے چل سکتا ہے۔

موجودہ جمہوریت کے مفاسد

موجودہ زمانے کے نعروں میں جمہوریت کا نعرہ جس قدر پُر فریب ہے اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ اس میں بظاہر اگرچہ وہ مفاسد تو نہیں جو ملوکیت سے کہیں بڑھ کر عالم کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بن رہی ہے۔

(۱) شخصی حکومت میں شخصِ واحد کی حکومت ہوتی ہے اور جمہوری سلطنت میں ایک خاص جماعت کی حکومت ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ایک قسم کی شخصیت ہے مگر شخص کبھی حقیقی ہوتا ہے اور کبھی حکمی۔ کیونکہ فلسفہ کا مسئلہ ہے کہ مجموعہ بھی شخصِ واحد کے حکم میں ہوتا ہے، مگر وہ واحد حکمی ہے واحد حقیقی نہیں۔ پارلیمنٹ میں گو بظاہر بہت آدمی ہوتے ہیں مگر مجموعہ مل کر پھر شخصِ واحد ہو جاتا ہے، کیونکہ جو قانون پاس ہو جاتا ہے وہ سب کی رائے سے مل کر پاس ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ میں ہر شخص کی انفرادی رائے معتبر نہیں بلکہ اجتماعی رائے معتبر ہے اور اجتماعی رائے ایک قسم کی شخصی رائے ہے، کیونکہ مجموعہ مل کر واحد حکمی ہو جاتا ہے۔

غرض یہ کہ شخصی حکومت میں شخصِ واحد کی حکومت ہوتی ہے اور جمہوری حکومت میں شخصی جماعت کی حکومت ہوتی ہے، اور تمام رعایا اس خاص جماعت کی غلام اور تابع ہوتی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایک شخص کی حکومت بیس آدمیوں کی حکومت سے بہتر ہے۔ غلامی تو ہر حال میں ہے، آزادیٔ مطلق کہیں بھی نہیں کہ جو چاہے کرو اور کوئی مواخذہ نہ ہو۔ آزادیٔ مطلق سے عالم میں فساد برپا ہوتا ہے۔ ائمہ نحو نے لکھا ہے کہ جماعت واحد مؤنث کے حکم میں ہے جماعت کی طرف واحد مؤنث کی ضمیر راجع کی جائے گی۔ اس لئے یہ ناچیز کہتا ہے کہ واحد مذکر کی حکومت واحد مؤنث

کی حکومت سے بہتر ہے۔ حدیث میں کہ عورت فطرتاً کج طبیعت اور ناقص العقل ہے اس کا سمجھانا بہت ہی مشکل ہے۔

(۲) شخصی حکومت میں ولی عہدی اور خاندانی میراث ہے اور جمہوری حکومت میں الیکشن ہے۔ جب کسی صدر کی مدتِ صدارت ختم ہو جاتی ہے تو انتخابات کی مہم شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے تمام ملک باہمی جنگ و جدال کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ ولی عہدی میں ملک پر یہ مصیبت تو نہیں آتی رہا یہ مسئلہ کہ ولیٔ عہدی میں اہلیت اور صلاحیت کی شرط نہیں سو موجودہ انتخابات میں بھی اہلیت شرط نہیں۔ جس کو ووٹ زیادہ مل گئے وہی منتخب ہو گیا جس طرح انتخابات میں کبھی اچھے آدمی بر سرِ اقتدار آجاتے ہیں اور کبھی بُرے، یہی حال ولیٔ عہدی کا ہے یہ ضروری نہیں کہ ہر بادشاہ بُرا ہی ہو اور ہر صدرِ جمہوریہ اچھا ہی ہو۔ ان والدگان جمہوریت نے ایک قاعدہ بنالیا ہے کہ جو بادشاہ ہو گا وہ ضرور نااہل اور کم عقل ہو گا اور جو صدر جمہوریہ ہو گا وہ ضرور اس کا اہل ہو گا اور کامل العقل ہو گا۔ یہ قاعدہ محض ان لوگوں کا ایک نظریہ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

(۳) جمہوریت کی عمارت کسی مستقل دستور اور مستقل بنیادوں پر قائم نہیں بلکہ جمہور اور عوام کے رجحان اور میلان پر کھڑی ہے کیونکہ موجودہ جمہوریت میں یہ قاعدہ ہے کہ اصل فرماں روائی جمہور اور عوام اور قوم کی ہوتی ہے جس چیز پر جمہور اور عوام کی اکثریت ہو جائے تو جمہوریت اس کی تابع ہے اور اس کے سامنے مجبور ہے۔ موجودہ جمہوریت کو نہ اخلاق سے بحث نہ اعمال سے بحث، اس کو تو قوم کی خوشنودی سے بحث ہے اخلاق و اعمال اس کے موضوع بحث سے خارج ہیں۔ اور موجودہ جمہوریت کو شریعت سے تو کوئی بحث ہی نہیں۔

(۴) فیصلہ کا دارومدار صرف کثرتِ رائے پر ہو گیا دلیل اور برہان سے بحث نہ رہی اور نہ کسی سمجھدار اور ہوشیار اور دیانتدار و تجربہ کار کی کوئی ہستی رہی کثرتِ رائے سے جو طے پا جائے وہی ٹھیک ہے۔

(۵) موجودہ جمہوریتوں میں قانون سازی کے تمام اختیارات برسرِ اقتدار جماعت کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اگرچہ مجلس قانون ساز میں اور بھی جماعتیں حصہ لیتی ہیں مگر قانون سازی کا اختیار ان کو نہیں ہوتا۔ اور ظاہر ہے کہ برسرِ اقتدار جماعت جو قانون بنائے گی اس میں اس کے طبعی میلانات ورجحانات اور مصالح وفوائد اور اغراض کو خاص طور پر دخل ہو گا۔ جو عدل و انصاف سے دور ہوں گے اور دوسری جماعتیں اس کو جرعہ تلخ کی طرح برداشت کریں گی جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اندر ہی اندر کشمکش جاری رہتی ہے اور اندر ہی اندر باہمی اختلاف کی آگ سلگتی رہتی ہے۔ اور ہر وقت ایک دوسرے کی تحقیر و تذلیل کی جد وجہد جاری رہتی ہے حتیٰ کہ کچھ عرصہ کے بعد جب حالات پلٹہ کھاتے ہیں اور دوسری جماعت برسرِ اقتدار آجاتی ہے، تو اولین فرصت میں یہ قانون منسوخ اور کالعدم کر دیا جاتا ہے جو خاص طبقے کے میلانات پر مبنی تھا۔ معلوم ہوا کہ پہلی جماعت نے جو قانون بنایا تھا وہ حقیقت اور صداقت پر مبنی نہ تھا بلکہ قوت و طاقت اور اکثریت کے بل بوتے پر تھا، جب وہ کثرت ختم ہوئی تو اس قانون کی قانونیت بھی ختم ہوئی۔ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت۔

(۶) برسرِ اقتدار جماعت ملک کی قسمت کی مالک بن جاتی ہے اور قسم قسم کے حیلوں اور تدبیروں سے سلطنت کے فوائد و منافع پر قابض ہو جاتی ہے اور پوری قوم سلطنت کے فوائد اور منافع سے محروم ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ قوم عدل و انصاف سے بھی

محروم ہو جاتی ہے۔ بر سرِ اقتدار جماعت نے اکثریت کی بناء پر جو فیصلہ کر دیا وہی عدل و انصاف سمجھا جائے گا۔

(۷) بلکہ مخلوقِ خدا شفقت اور ترحم اور انسانی ہمدردی سے بھی محروم ہو جاتی ہے۔

(۸) بلکہ مخلوقِ خدا پر فریاد کا دروازہ بھی بند ہو جاتا ہے، بر سرِ اقتدار جماعت نے جو فیصلہ کر دیا اب ملک کو اس کے خلاف دم مارنے کی اجازت نہیں۔ اور ایسا ظلم و ستم جس میں مظلوم دم بھی نہ مار سکے اور نہ سانس نکال سکے، اس کے لئے متمدن حکومتوں نے مارشل لاء کا قانون بنا رکھا ہے۔

(۹) جب سے جمہورتیوں کا دور دورہ شروع ہوا ہے تو بد اخلاقیوں اور بد اعمالیوں کا اور باہمی خانہ جنگیوں کا دروازہ کھل گیا ہے۔

(۱۰) موجودہ جمہوریت سے ایک نئی قسم کی تجارت کا دروازہ کھل گیا ہے۔ ایک ایک ووٹ ایک ایک روپیہ سے لے کر دس دس ہزار کے نوٹ تک فروخت ہوتا ہے، بیس ہزار روپیہ خرچ کر کے اسمبلی کی ممبری حاصل کریں اور اس سے دس لاکھ کمائیں۔

حدیث میں ایک دعا یہ بھی آئی ہے: ''اللھم لا تسلط علینا من لا یرحمنا''

[بحوالہ اسلامی دستور]

(۳) جمہوریت مشہور دیوبندی عالم حضرت مولٰنا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ کی نظر میں:

چنانچہ مولٰنا اپنی کتاب'' دورِ حاضر کے سیاسی اور اقتصادی مسائل'' میں تحریر فرماتے ہیں:

اگر ہم جذبات سے بالا ہو کر حقیقت کو سامنے رکھیں تو حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی مذہب جمہوریت کی موافقت نہیں کر سکتا۔ جس طرح جمہوریت اگر صحیح معنی میں جمہوریت ہے تو وہ مذہب کے تابع نہیں ہو سکتی، کیونکہ ہم جمہوریت کے ثنا خواں و مداح اس لئے ہوتے ہیں کہ اس میں عوام کو آزادی میسر آتی ہے۔ رائے کی آزادی، فکر کی آزادی، تحریر کی آزادی، تقریر کی آزادی، مطلق العنان حریت یعنی بے لگام آزادی، حالانکہ کوئی بھی مذہب اس مطلق العنان، بے لگام اور منہ چھوٹ آزادی کی اجازت نہیں دے سکتا۔ ہر ایک مذہب اخلاق کا طوق زرّیں انسان کے گلے میں ڈالتا ہے۔ اس کا اصل اصول ہوتا ہے۔ پابندی، فرماں برداری، ضبط و کنٹرول، ایثار اور قربانی۔ اس کے برعکس مطلق العنان آزادی جو جمہوریت کا طرہ امتیاز مانی جاتی ہے، رفتہ رفتہ آوارگی کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

آپ تحقیق فرمائیں تو مہذب ترین جمہوری ممالک کاروباری ضابطوں اور قاعدوں میں وہ خواہ کتنے ہی بااصول ہوں، مگر اخلاق، کردار، روحانیت، خوفِ خدا اور خدا ترسی کے لحاظ سے وہ آوارہ ہیں۔

[دور حاضر کے سیاسی اور اقتصادی مسائل: ص ۲۱۷، ط: مکتبہ قاسمیہ لاہور]

جمہوریت محدث العصر حضرت مولنا سید محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

مغربی سیاست اور اس کے مضر اثرات

مغربی سیاست نے جن بدعات کو جنم دیا ہے ان سے عداوت و نفرت، کینہ و بغض اور تفریق و انتشار کے کانٹے تو مل سکتے ہیں مگر الفت و محبت، سلامتی و امن و اتحاد و اعتماد

کے پھول دستیاب نہیں ہوسکتے، دورِ جدید کا سب سے بڑا بت عوامی طاقت ہے جس کی پرستش کے لئے انتخابات، اسمبلی اور جمہوریت کے بلند و بالا صنم کدے تعمیر کئے جاتے ہیں، پجاریوں کی مختلف پارٹیاں اس معبود کی رضاجوئی کے لئے مختلف منتیں مانتی ہیں، جبینِ نیاز خم کرتی ہیں اور ہر ممکن طریقے سے اسے خوش کرنا چاہتی ہیں، ان میں باہمی رفاقت چلتی ہے، مسابقت کی دوڑ ہوتی ہے، ایک دوسرے کے خلاف پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے، ایک ایک کا نسب نامہ تلاش کیا جاتا ہے، ہر کردہ و ناکردہ گناہ ایک ایک کے نامہ عمل میں ڈالا جاتا ہے، گفتی و ناگفتی کا بازار گرم ہو جاتا ہے، منشور چھپتے ہیں، اشتہارات نکلتے ہیں، جلسہ و جلوس، شور و غوغا، طعن و تشنیع یہ ہیں وہ وظائف جو رضائے معبود کے لئے پڑھے جاتے ہیں، مقصد صرف یہ کہ رضائے معبود کی سند (ووٹ) کسی طرح ہمیں حاصل ہو جائے تاکہ ہم عالمِ بالا حکومت و کونسل میں پہنچ کر من مانی کریں۔

دنیا کی گمراہ قومیں جن میں یہودی و عیسائی اور لامذہب سب شامل ہیں وہ تو خیر اس طریقِ کار پر مجبور تھیں کہ اوّل تو ان کا منتہائے مقصود اور نقطہ عروج حکومت اور سلطنت سے آگے نہیں جاتا پھر وہ دین و مذہب سے بالکل بے بہرہ ہیں یا اگر برائے نام مذہب ہے بھی تو صرف رسوم و قیود تک محدود ہے، وہ تو خیر مجبور تھے کہ حکمرانی کے اصول وضع کریں، قانون سازی کے ادارے تشکیل کریں اور قوم کے لئے صحیح غلط قانون و دستور تیار کریں لیکن امت مسلمہ کو ان کی نقالی کی کیا ضرورت تھی؟ ان کے پاس خُدا کا نازل کردہ آئینِ حیات مکمل طور پر موجود تھا، ہر شعبہ زندگی کے رہنما اصول سے لے کر جزئی قواعد و ضوابط تک موجود ہیں، ہر مرض کے لئے نسخہ شفا موجود تھا آخر ان کو کیا مصیبت پڑی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے اصولِ رحمت اور قانونِ عدل کے بجائے چند افراد کے وضع کردہ ضوابط کو ذریعہ نجات سمجھنے لگے، خالقِ کائنات کے

قانونِ رحمت و عدل کو چھوڑ کر مخلوق کے ساختہ پر داختہ قانون میں امن و عافیت ڈھونڈنا کہاں کا فلسفہ ہے ؟ محمد رسول اللہ ﷺ کے دامنِ رحمت سے کٹ کر یہودیوں اور عیسائیوں کے طریقہ کار اور فلسفہ حیات میں پناہ لینا کیا عقل و دانش کی بات ہے ؟

چھوڑو پارلیمانی دستوروں کو اور انسانوں کے خود ساختہ قانون کو! کیا قرآن کریم جیسی وحی ربانی تمہارے پاس نہیں ؟ کیا خاتم الانبیاء ﷺ کی پاکیزہ سنّت کا ریکارڈ اور مقدس صحیفے تم سے گم ہو چکے ہیں ؟ کیا اسلامی قانون اپنی پوری جامعیت اور ہمہ گیری کے ساتھ مکمل ضابطۂ حیات کی شکل میں تمہارے ہاتھ میں نہیں ؟ سب کچھ ہے مگر مسلمانوں کا زاویۂ نظر صحیح نہیں رہا ورنہ مسلمان کیوں اس تباہ کن زندگی میں سر سے پاؤں تک ملوث ہوتے ؟ اگر انہیں اپنے گھر کی خبر ہوتی تو کیوں کشکول گدائی لے کر انسانیت کش نظاموں سے بھیک مانگنے کو جاتے آج جتنی جد وجہد اسمبلی کی نمائندگی کے لئے کی جاتی ہے ، حکومت سازی کے لئے جتنے پاپڑ بیلے جاتے ہیں اور ان نمائشی ڈراموں پر جتنی خطیر رقمیں اڑائی جاتی ہیں اگر آج مسلمان اس کا عشر عشیر بھی دعوت و تبلیغ پر خرچ کرتے تو اس شقاق و افتراق سے محفوظ رہتے اور رحمتِ الٰہی کے مستحق ہوتے ، صالح معاشرہ وجود میں آتا ، پاکیزہ سیرتیں جلوہ گر ہوتیں ، سکون و اطمینان کی زندگی نصیب ہوتی ، آخرت سے پہلے جنتی زندگی کے پاکیزہ نفحات مشام جان کو معطر کرتے ، اللہ تعالیٰ صحیح توفیق عمل نصیب فرمائے ، آمین۔

[ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ۔ جون ۱۹۷۳ء]

[بحوالہ بصائر وعبر: ص ۱۱۲، ۱۱۳ ج ۲]

جمہوریت حضرت مولٰنا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

(امّ المدارس جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں عرصہ دراز سے دورہ حدیث میں طحاوی شریف پڑھانے والے اور ماہنامہ بیّنات کے مدیر رہنے والے اس مردِ قلندر کی سحر انگیز تحریریں واقعی علمی اور مفید ہیں ۔ زیرِ نظر مضمون ''جمہوریت دورِ جدید کا صنمِ اکبر'' بار بار غور سے پڑھنے کے قابل ہے جس میں انہوں نے جمہوریت اور اس کی اسلامیت کو واضح کیا ہے ۔ آج سے ۱۸ سال قبل سنہ ۱۴۱۰ھ کو حضرت کا یہ مضمون ماہنامہ بیّنات میں شائع ہوا تھا۔)

جمہوریت اس دور کا صنمِ اکبر

س...... میری ایک الجھن یہ ہے کہ :'' اسلام میں جمہوریت کی گنجائش ہے یا نہیں ؟'' کیونکہ میری ناقص رائے کے مطابق '' جمہوریت '' کی حکومت میں آزاد خیالی اور لفظ ''آزادی'' کی وجہ سے مسلمان تمام حدوں سے تجاوز کر جاتے ہیں، جبکہ مذہب '' گھر '' تک محدود ہو جاتا ہے، حالانکہ '' اسلام '' نہ صرف ایک بے مثال مذہب ہے بلکہ اس میں خدا کے مستند قوانین سموئے ہوئے ہیں، اور اسلام میں ایک حد میں رہتے ہوئے آزادی بھی دی گئی ہے۔ برائے مہربانی جواب عنایت فرمائیں۔

ج....... بعض غلط نظریات قبولیتِ عامہ کی ایسی سند حاصل کر لیتے ہیں کہ بڑے بڑے عقلاء اس قبولیت عامہ کے آگے سر ڈال دیتے ہیں، وہ یا تو ان غلطیوں کا ادراک ہی نہیں کر پاتے یا اگر ان کو غلطی کا احساس ہو بھی جائے تو اس کے خلاف لب کشائی کی جرأت نہیں کر سکتے ۔ دنیا میں جو بڑی بڑی غلطیاں رائج ہیں ان کے بارے میں اہلِ عقل اسی المیے کا شکار ہیں۔ مثلاً '' بت پرستی '' کو لیجئے! خدائے وحدہ لاشریک کو چھوڑ کر خود تراشیدہ پتھروں اور مورتیوں کے آگے سر بسجود ہونا کس قدر غلط اور باطل ہے ،

انسانیت کی اس سے بڑھ کر توہین و تذلیل کیا ہو گی کہ انسان کو جو ''اشرف المخلوقات'' ہے بے جان مورتیوں کے سامنے سرنگوں کر دیا جائے اور اس سے بڑھ کر ظلم کیا ہو گا کہ حق تعالیٰ شانہ کے ساتھ مخلوق کو شریکِ عبادت کیا جائے۔ لیکن مشرک برادری کے عقلاء کو دیکھو کہ وہ خود تراشیدہ پتھروں، درختوں، جانوروں وغیرہ کے آگے سجدہ کرتے ہیں۔ تمام تر عقل و دانش کے باوجود ان کا ضمیر ان کے خلاف احتجاج نہیں کرتا اور نہ وہ اس میں کوئی قباحت محسوس کرتے ہیں۔

اسی غلط قبولیتِ عامہ کا سکہ آج '' جمہوریت'' میں چل رہا ہے، جمہوریت دورِ جدید کا وہ '' صنمِ اکبر'' ہے جس کی پرستش اوّل اوّل دانایانِ مغرب نے شروع کی، چونکہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے اس لئے ان کے عقل نارسا نے دوسرے نظام ہائے حکومت کے مقابلے میں جمہوریت کا بت تراش لیا اور پھر اس کو مثالی طرزِ حکومت قرار دے کر اس کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ پوری دنیا میں اس کا غلغلہ بلند ہوا یہاں تک کہ مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں جمہوریت کی مالا جپنی شروع کر دی۔ کبھی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ ''کہ اسلام جمہوریت کا علمبردار ہے'' اور کبھی ''اسلامی جمہوریت'' کی اصطلاح وضع کی گئی، حالانکہ مغرب'' جمہوریت'' کے جس بت کا پجاری ہے اس کا نہ صرف یہ کہ اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کی سیاسی نظریہ کی ضد ہے، اس لئے اسلام کے ساتھ ''جمہوریت'' کا پیوند لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے۔

سب جانتے ہیں کہ اسلام، نظریہ خلافت کا داعی ہے جس کی رُو سے اسلامی مملکت کا سربراہ آنحضرت ﷺ کے خلیفہ اور نائب کی حیثیت سے اللہ تعالیٰ کی زمین پر احکام الٰہیہ کے نفاذ کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے۔

چنانچہ مسند الہند حکیم الامت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، خلافت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

" مسئلہ در تعریف خلافت: هی رياسة العامة فی التصدی لاقامة الدين باحياء العلوم الدينية واقامة اركان الاسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والفرض للمقاتلة واعطائهم من الفيئ والقيام بالقضاء واقامة الحدود ورفع المظالم والأمر بالمعروف والنهی عن المنكر نيابة عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔"

[ازالۃ الخفاء:ص:۲]

ترجمہ:۔" خلافت کے معنی ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت، میں دین کو قائم (اور نافذ) کرنے کے لئے مسلمانوں کا سربراہ بننا۔ دینی علوم کو زندہ رکھنا، ارکانِ اسلام کو قائم کرنا اور متعلقات جہاد کا انتظام کرنا، مثلاً: لشکروں کا مرتب کرنا، مجاہدین کو وظائف دینا اور مالِ غنیمت ان میں تقسیم کرنا، قضا وعدل کو قائم کرنا، حدودِ شرعیہ کو نافذ کرنا اور مظالم کو رفع کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا۔"

اس کے برعکس جمہوریت میں عوام کی نمائندگی کا تصور کار فرما ہے، چنانچہ جمہوریت کی تعریف ان الفاظ میں کی جاتی ہے:

" جمہوریت وہ نظامِ حکومت ہے جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی اکثریت رکھنے والی سیاسی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔"

گویا اسلام کے نظامِ خلافت اور مغرب کے تراشیدہ نظامِ جمہوریت کا راستہ پہلے ہی قدم پر الگ الگ ہو جاتا ہے، چنانچہ:

☆ خلافت، رسول اللہ ﷺ کی نیابت کا تصور پیش کرتی ہے، اور جمہوریت عوام کی نیابت کا نظریہ پیش کرتی ہے۔

☆ خلافت، مسلمانوں کے سربراہ پر اقامت دین کی ذمہ داری عائد کرتی ہے، یعنی اللہ کی زمین پر اللہ کا دین قائم کیا جائے، اور اللہ کے بندوں پر، اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظامِ عدل کو نافذ کیا جائے، جبکہ جمہوریت کو نہ خدا اور رسول سے کوئی واسطہ ہے، نہ دین اور اقامت دین سے کوئی غرض ہے، اس کا کام عوام کی خواہشات کی تکمیل ہے اور وہ ان کے منشاء مطابق قانون سازی کی پابند ہے۔

☆ اسلام، منصب خلافت کے لئے خاص شرائط عائد کرتا ہے، مثلاً مسلمان ہو، عاقل و بالغ ہو، سلیم الحواس ہو، مرد ہو، عادل ہو، احکامِ شرعیہ کا عالم ہو، جبکہ جمہوریت ان شرائط کی قائل نہیں، جمہوریت یہ ہے کہ جو جماعت بھی عوام کو سبز باغ دکھا کر اسمبلی میں زیادہ نشستیں حاصل کرلے اسی کو عوام کی نمائندگی کا حق حاصل ہے۔ جمہوریت کو اس سے بحث نہیں کہ عوامی اکثریت حاصل کرنے والے ارکان مسلمان ہیں یا کافر، نیک ہیں یا بد، متقی و پرہیزگار ہیں یا فاجر و بدکار، احکام شرعیہ کے عالم ہیں یا جاہل مطلق اور نالائق ہیں یا کندہ ناتراش، الغرض! جمہوریت میں عوام کی پسند و ناپسند ہی سب سے بڑا معیار ہے اور اسلام نے جن اوصاف و شرائط کا کسی حکمران میں پایا جانا ضروری قرار دیا، اور وہ عوام کی حمایت کے بعد سب لغو و فضول ہیں، اور جو نظامِ سیاست اسلام نے مسلمانوں کے لئے وضع کیا ہے وہ جمہوریت کی نظر میں محض بے کار اور لایعنی ہے، نعوذ باللہ!

☆ خلافت میں حکمران کے لئے بالاتر قانون قرآن و سنت ہے، اور اگر مسلمانوں کا اپنے حکام کے ساتھ نزاع ہو جائے تو اس کو اللہ و رسول ﷺ کی طرف رد کیا جائے

گا اور کتاب و سنت کی روشنی میں اس کا فیصلہ کیا جائے گا، جس کی پابندی راعی اور رعایا دونوں پر لازم ہو گی۔ جبکہ جمہوریت کا ”فتویٰ“ یہ ہے کہ مملکت کا آئین سب سے ”مقدس“ دستاویز ہے اور تمام نزاعی امور میں آئین و دستور کی طرف رجوع لازم ہے، حتیٰ کہ عدالتیں بھی آئین کے خلاف فیصلہ صادر نہیں کر سکتیں۔

لیکن ملک کا دستور اپنے تمام تر ”تقدس“ کے باوجود عوام کے منتخب نمائندوں کے ہاتھ کا کھلونا ہے، وہ مطلوبہ اکثریت کے بل بوتے پر اس میں جو چاہیں کریں ترمیم، تنسیخ کرتے پھریں، ان کو کوئی روکنے والا نہیں، اور مملکت کے شہریوں کے لئے جو قانون چاہیں بنا ڈالیں، کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں۔ یاد ہو گا کہ انگلینڈ کی پارلیمنٹ نے دو مردوں کی شادی کو قانوناً جائز قرار دیا تھا اور کلیسا نے ان کے فیصلے پر صاد (صحیح) فرمایا تھا، چنانچہ عملاً دو مردوں کا کلیسا کے پادری نے نکاح پڑھایا تھا، نعوذ باللہ!

حال ہی میں ایک محترمہ کا بیان اخبارات کی زینت بنا تھا کہ جس طرح اسلام نے ایک مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے شادی کی اجازت دی ہے، اسی طرح ایک عورت کو بھی اجازت ہونی چاہیئے کہ وہ بیک وقت چار شوہر رکھ سکے۔ ہمارے یہاں جمہوریت کے نام پر مرد و زن کی مساوات کے جو نعرے لگ رہے ہیں، بعید نہیں کہ جمہوریت کا نشہ کچھ تیز ہو جائے اور پارلیمنٹ میں یہ قانون بھی زیر بحث آجائے۔ ابھی حال میں پاکستان کے ایک بڑے مفکر کا مضمون اخبار میں شائع ہوا تھا کہ شریعت کو پارلیمنٹ سے بالاتر قرار دینا قوم کے نمائندوں کی توہین ہے، کیونکہ قوم نے اپنے منتخب نمائندوں کو قانون سازی کا مکمل اختیار دیا ہے۔ ان صاحب کا یہ عندیہ ”جمہوریت“ کی صحیح تفسیر ہے، جس کی رُو سے قوم کے منتخب نمائندے شریعت الٰہی سے بھی بالاتر قرار دیئے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں ”شریعت بل“ کئی سالوں سے قوم کے

منتخب نمائندوں کا منہ تک رہا ہے لیکن آج تک اس کو شرف پزیرائی حاصل نہیں ہو سکا، اس کے خلاف کون کہہ سکتا ہے کہ اسلام، مغربی جمہوریت کا قائل ہے؟

☆ تمام دنیا کے عقلاء کا قاعدہ ہے کہ کسی اہم معاملے میں اس کے ماہرین سے مشورہ لیا جاتا ہے، اسی قاعدے کے مطابق اسلام نے انتخابِ خلیفہ کی ذمہ داری اہلِ حل و عقد پر ڈالی ہے، جو رموزِ مملکت کو سمجھتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ اس کے لئے موزوں ترین شخصیت کون ہو سکتی ہے، جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا:

''انما الشوریٰ للمهاجرين والأنصار''

ترجمہ:۔'' خلیفہ کے انتخاب کا حق صرف مہاجرین و انصار کو حاصل ہے۔''

لیکن بت کدہ جمہوریت کے برہمنوں کا'' فتویٰ'' یہ ہے کہ حکومت کے انتخاب کا حق ماہرین کو نہیں بلکہ عوام کو ہے۔ دُنیا کا کوئی کام اور منصوبہ ایسا نہیں جس میں ماہرین کے بجائے عوام سے مشورہ لیا جاتا ہو، کسی معمولی سے معمولی ادارے کو چلانے کے لئے بھی اس کے ماہرین سے مشورہ طلب کیا جاتا ہے، لیکن یہ کیسی ستم ظریفی ہے کہ حکومت کا ادارہ (جو تمام اداروں کی ماں ہے اور مملکت کے تمام وسائل اس کے قبضے میں ہیں، اس کو) چلانے کے لئے ماہرین سے نہیں بلکہ عوام سے رائے لی جاتی ہے، حالانکہ عوام کی ننانوے فیصد اکثریت یہ نہیں جانتی کہ حکومت کیسے چلائی جاتی ہے؟ اس کی پالیسیاں کیسے مرتب کی جاتی ہیں؟ اور حکمرانی کے اصول و آداب ونشیب و فراز کیا کیا ہیں...؟ ایک حکیم و دانا کی رائے کو ایک گھسیارے کی رائے کے ہم وزن شمار کرنا، اور ایک کندہ ناتراش کی رائے کو ایک عالی دماغ مدبر کی رائے کے برابر قرار دینا، یہ وہ تماشا ہے جو دنیا کو پہلی بار'' جمہوریت'' کے نام سے دکھایا گیا ہے۔

درحقیقت "عوام کی حکومت، عوام کے لئے اور عوام کے مشورے سے" کے الفاظ محض عوام کو اُلّو بنانے کے لئے وضع کئے گئے ہیں، ورنہ واقعہ یہ ہے کہ جمہوریت میں نہ تو عوام کی رائے کا احترام کیا جاتا ہے اور نہ عوام کی اکثریت کے نمائندے حکومت کرتے ہیں، کیونکہ جمہوریت میں اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کی جاتی کہ عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کون کون سے نعرے لگائے جائیں گے اور کن کن ذرائع کو استعمال کیا جائے گا؟ عوام کی ترغیب و تحریص کے لئے جو ہتھکنڈے بھی استعمال کئے جائیں، ان کو گمراہ کرنے کے لئے جو سبز باغ بھی دکھائے جائیں اور انہیں فریفتہ کرنے کے لئے جو ذرائع بھی استعمال کئے جائیں وہ جمہوریت میں سب روا ہیں۔

اب ایک شخص خواہ کیسے ہی ذرائع اختیار کرے، اپنے حریفوں کے مقابلے میں زیادہ ووٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے، وہ "عوام کا نمائندہ" شمار کیا جاتا ہے، حالانکہ عوام بھی جانتے ہیں کہ اس شخص نے عوام کی پسندیدگی کی بنا پر زیادہ ووٹ حاصل نہیں کئے بلکہ روپے پیسے سے ووٹ خریدے ہیں، دھونس اور دھاندلی کے حربے استعمال کئے ہیں اور غلط وعدوں سے عوام کو دھوکہ دیا ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ شخص نہ روپے پیسے کا نمائندہ کہلاتا ہے، نہ دھونس اور دھاندلی کا منتخب شدہ اور نہ جھوٹ، فریب اور دھوکا دہی کا نمائندہ شمار کیا جاتا ہے، چشم بد دور! یہ "قوم کا نمائندہ" کہلاتا ہے۔ انصاف کیجئے! کہ "قوم کا نمائندہ" اسی قماش کے آدمی کو کہا جاتا ہے؟ اور کیا ایسے شخص کو ملک و قوم سے کوئی ہمدردی ہو سکتی ہے....؟

عوامی نمائندے کا مفہوم تو یہ ہونا چاہیئے کہ عوام کسی شخص کو ملک و قوم کے لئے مفید ترین سمجھ کر بالکل آزادانہ طور پر منتخب کریں، نہ اس امیدوار کی طرف سے کسی قسم کی تحریص و ترغیب ہو، نہ کوئی دباؤ ہو، اور نہ برادری اور قوم کا واسطہ ہو، نہ روپے

پیسے کا کھیل ہو، الغرض اس شخص کی طرف سے اپنی نمائش کا کوئی سامان نہ ہو اور عوام کو بے وقوف بنانے کا اس کے پاس کوئی حربہ نہ ہو۔ قوم نے اس کو صرف اور صرف اس بنا پر منتخب کیا ہو کہ یہ اپنے علاقے کا لائق ترین آدمی ہے، اگر ایسا انتخاب ہوا کرتا تو بلاشبہ یہ عوامی انتخاب ہوتا اور اس شخص کو ”قوم کا نمائندہ“ کہنا صحیح ہوتا، لیکن عملاً جو جمہوریت ہمارے ہاں رائج ہے، یہ عوام کے نام پر عوام کو دھوکہ دینے کا ایک کھیل ہے اور بس....!

کہا جاتا ہے کہ: ” جمہوریت میں عوام کی اکثریت کو اپنے نمائندوں کے ذریعہ کو حکومت کرنے کا حق دیا جاتا ہے“ یہ بھی محض ایک پُر فریب نعرہ ہے، ورنہ عملی طور پر یہ ہو رہا ہے کہ جمہوریت کے غلط فارمولے کے ذریعہ ایک محدود سی اقلیت، اکثریت کی گردنوں پر مسلط ہو جاتی ہے! مثلاً: فرض کر لیجئے کہ ایک حلقہ انتخاب میں ووٹوں کی کل تعداد پونے دو لاکھ ہے، پندرہ امیدوار ہیں، ان میں سے ہر ایک شخص تیس ہزار ووٹ حاصل کر لیتا ہے، جن کا تناسب دوسرے امیدواروں کو حاصل ہونے والے ووٹوں سے زیادہ ہے، حالانکہ اس نے صرف سولہ فیصد حاصل کئے ہیں، اس طرح سولہ فیصد کے نمائندے کو ۸۴ فیصد پر حکومت کا حق حاصل ہوا۔ فرمایئے! یہ جمہوریت کے نام پر ایک محدود اقلیت کو غالب اکثریت کی گردنوں پر مسلط کرنے کی سازش نہیں تو اور کیا ہے....؟ چنانچہ اس وقت مرکز میں جو حکومت ” کوس لمن الملک“ بجا رہی ہے، اس کو ملک کی مجموعی آبادی کے تناسب سے ۳۳ فیصد کی حمایت بھی حاصل نہیں، لیکن جمہوریت کے تماشے سے نہ صرف وہ جمہوریت کی پاسبان کہلاتی ہے بلکہ اس نے ایک عورت کو ملک کے سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے۔

الغرض! جمہوریت کے عنوان سے " عوام کی حکومت، عوام کے لئے " کا دعویٰ محض ایک فریب ہے، اور اسلام کے ساتھ اس کی پیوند کاری فریب در فریب ہے، اسلام کا جدید جمہوریت کوئی تعلق نہیں، نہ جمہوریت کو اسلام سے کوئی واسطہ ہے، ''ضدان لا یجتمعان'' (یہ دو متضاد جنسیں ہیں جو اکٹھی نہیں ہو سکتیں)۔

[آپ کے مسائل اور اُن کا حل: ص۱۵۸ تا ص۱۶۵، ج۸]

جمہوریت حضرت مولٰنا مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علاّمہ بنوری ٹاؤن کراچی کی نظر میں

آپ کی ایک مفصل تقریر ماہنامہ سنابل میں چھپی ہے جو یہاں لفظ بلفظ نقل کر دی جاتی ہے۔

کیا جمہوریت کے ذریعے اسلام غالب آسکتا ہے؟

آج مجھے جو بات آپ سے عرض کرنی ہے وہ یہ کہ اب بھی اگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دین غالب ہو گا تو وہ ووٹ کے ذریعے سے نہیں ہو سکتا کہ آپ سیاسی جماعت بنا کر مغربی جمہوریت کے ذریعے سے آپ اللہ کے دین کو بڑھانا چاہیں...... اللہ کے دین کو غالب کرنا چاہیں...... تو کبھی بھی دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین ووٹ کے ذریعے سے...... مغربی جمہوریت کے ذریعے سے غالب نہیں ہو گا، اس لئے کہ اس دنیا کے اندر اللہ کے دشمنوں کی اکثریت ہے، فساق وفجار کی اکثریت ہے...... اور جمہوریت جو ہے وہ بندوں کو گننے کا نام ہے، بندوں کو تولنے کا نام نہیں، اقبال نے کہا تھا کہ:

جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

وہاں بندوں کو گنا کرتے ہیں کہ کتنے سر ہیں.... لہٰذا مغربی جمہوریت کے ذریعے کبھی اسلام نہیں آسکتا ہے..... جیسا کہ پیشاب کے ذریعے کبھی وضو نہیں ہو سکتا اور جیسا کہ نجاست کے ذریعے سے کبھی طہارت اور پاکی حاصل نہیں کی جا سکتی، اسی طرح لادینی اور مغربی جمہوریت کے ذریعے سے کبھی اسلام غالب نہیں آسکتا..... دنیا میں جب بھی اسلام غالب ہو گا تو اس کا واحد راستہ وہی ہے جو راستہ اللہ کے نبی ﷺ نے اختیار کیا تھا اور وہ جہاد کا راستہ ہے کہ جس کے ذریعے سے اس دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین غالب ہو گا۔

آج آپ نے سنا ہمارے ہاں پاکستان میں وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ شریعت بل کے ذریعے سے اسلام لائیں گے..... لیکن جو شریعت بل اسلام کے لئے پیش کیا تو اس کا حاصل کیا ہوا؟ کل ہی کے اخبار میں آپ نے وزیر اعظم کا بیان پڑھا ہو گا..... اخبار کی شہہ سرخی تھی... کہ ہم عورتوں کو پردہ نہیں کروائیں گے اور انہیں گھر سے باہر نکلنے سے نہیں روکیں گے۔ اسی اخبار میں خبر ہے کہ پاکستان کے تین وزیر مشاہد حسین (وزیر اطلاعات)، خالد انور (وزیر قانون) اور صدیق کانجو (نائب وزیر خارجہ)..... یہ تینوں آدمی مغربی سفیروں کے سامنے پیش ہوئے، انہیں بریفنگ دی اور انہیں بتلایا کہ "بھائی تم خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہو ہم جو اسلام لائیں گے اُس اسلام میں کسی کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔۔۔ ہم جو اسلام لائیں گے اس اسلام میں شراب پر پابندی نہیں ہو گی..... ہم جو اسلام لائیں گے اس اسلام میں کسی کو سنگسار نہیں کیا جائے گا زنا پر۔"

یہ باتیں پریس کے اندر موجود ہیں کہ مغربی سفیروں کے سامنے انہوں نے کہا کہ "ہم ماڈرن اسلام چاہتے ہیں...... آپ خواہ مخواہ پریشان ہو رہے ہیں" اصل بات کیا ہے؟ قرآن مجید کا حکم ہے کہ:

" وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْاُوْلیٰ " [سورۃ الاحزاب: ۳۲]

قرآن مجید کا یہ بھی حکم ہے کہ عورتوں کو کہہ دیں:

" یُدْنِیْنَ عَلَیْهِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِهِنَّ ؕ ذٰلِکَ اَدْنٰی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ "

[سورۃ الاحزاب: ۵۹]

جس اسلام کے اندر پردہ نہیں ہو گا..... جس اسلام میں شراب پر پابندی نہیں ہو گی...... جس اسلام میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا..... جس اسلام میں زانی کو سنگسار نہیں کیا جائے گا..... وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے محمد ﷺ پر نازل کردہ اسلام نہیں ہے..... اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ پر جو اسلام اتارا تھا..... اس میں عورت کو پردے کا حکم ہے..... اس میں تو زانی کو سنگسار کرنے کا حکم ہے...... اس اسلام کے اندر شراب کو حرام کیا گیا ہے..... اس اسلام کے اندر چور کے ہاتھ کاٹنے کا حکم ہے...

اب یہ سب کچھ نہیں ہو گا تو معلوم نہیں وہ کون سا اسلام ہو گا جو وزیر اعظم اس ملک میں نافذ کرے گا؟ وہ کون سا اسلام ہو گا؟ محمد ﷺ کا اسلام تو وہ نہیں ہے....

حقیقت یہ ہے کہ یہ سیاسی پارٹیاں... چاہے وہ مسلم لیگ ہو، چاہے پیپلز پارٹی ہو.... چاہے کوئی بھی ہو.... ہم لوگ ان سے خیر کی توقع نہیں رکھتے ہیں... یہ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں، اس کی مثال ایسی ہے جیسے دو رنگ کے خنزیر ہوں اور دو آدمی اس بات پر لڑیں کہ نہیں وہ سفید خنزیر اچھا ہے اور دوسرا کہے نہیں وہ کالا خنزیر اچھا ہے۔ تقسیم ہند سے پہلے برطانیہ میں دو سیاسی پارٹیاں تھیں، ایک کو لیبر پارٹی کہا جاتا تھا جب کہ دوسری کو ٹوری پارٹی کہتے تھے.. مولانا ظفر علی خان صاحب، اس وقت کے بڑے صحافی اور شاعر تھے... انہوں نے شعر کہا تھا کہ:

توقع خیر کی رکھیو نہ لیبر سے نہ ٹوری سے

نکل سکتا نہیں آٹا کبھی چونے کی بوری سے

چونے کی بوری سے کبھی آٹا نہیں نکل سکتا۔ مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی سے کبھی اسلام نکلے گا؟ وہ کفر ہو گا... اسلام کبھی نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ ہم لوگوں کی بیوقوفی ہے... اسلام اگر آئے گا تو انقلاب کے ذریعے سے آئے گا...

اسلام اگر آئے گا تو جہاد کے ذریعے سے آئے گا... اور اس دنیا میں جب کبھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین غالب ہو گا تو وہ جہاد کے ذریعے سے ہو گا... ووٹ کے ذریعے یا مغربی جمہوریت کے ذریعے سے کبھی بھی اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین دنیا میں غالب نہیں ہو سکتا نہ ہی اس کے ذریعے سے کبھی اسلام آ سکتا ہے۔

ابھی "شریعت بل" کے نام سے جو دستاویز انہوں نے پیش کی ہے... اس میں سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ شریعت کی تعریف ہی موجود نہیں ہے۔ شریعت کسے کہتے ہیں؟ جواب آتا ہے کہ "قرآن و سنت کا جس فرقے کے نزدیک جو مطلب ہے وہی شریعت ہے".... یہ شریعت ہے یا مذاق ہے؟ جس فرقے کے نزدیک قرآن و سنت کی جو تشریح ہے کہتے ہیں وہی قرآن و سنت ہے... قرآن و سنت تو ایک ہے، قرآن کہتے ہیں اللہ کی نازل کردہ کتاب کو... اور سنت کہتے ہیں نبی کریم ﷺ کے قول اور فعل کو... اس کا فرقے کے ساتھ کیا تعلق ہے کہ جو فرقہ جو مرضی تشریح کرے... یہ دین کو متنازعہ بنانے والی بات ہے، فرقہ پرستی کو ہوا دینے والی بات ہے اور فرقہ پرستی کو رواج دینے والی بات ہے۔ اس کا نتیجہ وہی نکلے گا جو ضیاء الحق کے زکوٰۃ آرڈیننس کا تھا، اس نے شیعوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کیا.... اہل سنت والجماعت میں... ان میں جو فاسق و فاجر تھے اور زکوٰۃ نہیں دینا چاہتے تھے، وہ بینک میں اپنے آپ کو لکھوا دیتے تھے کہ ہم شیعہ ہیں...

اب یہاں یہ ہو گا کہ اگر کوئی آدمی مسلمان ہے... مقدمہ عدالت میں پیش ہوا... اس کو نظر آیا کہ حنفی مذہب میں یا شافعی یا مالکی مذہب میں میرے لئے سزا ہے... اور شیعوں کے ہاں میرے لئے سزا نہیں ہے... تو وہ کہہ دے گا کہ میں شیعہ ہوں، میرے نزدیک قرآن وحدیث کی وہی تشریح معتبر ہے جو شیعوں کے ہاں ہے۔ تو کیا کریں گے آپ؟ قرآن وسنت کو مذاق بنانے والی بات ہے، قرآن وسنت کو مذاق بنایا جارہا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس آرڈیننس کے اندر یہ لکھا ہے کہ وزیر اعظم جو آرڈر اسلام اور شریعت کے حوالے سے جاری کرے گا... جو بھی اسے نہیں مانے گا وہ سزا کا مستحق ہو گا، سرکاری ملازم ہوا تو برطرف کیا جائے گا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ مقام ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا یہ مقام ہے کہ وہ جو حکم کریں بلا چون وچرا تسلیم کیا جائے گا لیکن ان کے علاوہ جتنے لوگ ہیں... ان کے حوالے سے قاعدہ اور قانون قرآن نے یہ بیان کیا ہے کہ اگر ان کا حکم اور ان کی بات قرآن وسنت کے مطابق ہو تو ہم مانیں گے اور اگر قرآن وسنت کے مطابق نہ ہو تو ہم نہیں مانیں گے۔

کل ایک نشست میں لوگ برملا کہہ رہے تھے کہ اس بل کے پاس ہونے سے تو وزیر اعظم مجتہد مطلق بن جائے گا۔ میں نے کہا کہ مجتہد مطلق نہیں وہ "قادرِ مطلق" بن جائے گا، پھر ظاہر ہے قرآن وسنت کی تشریح پاکستان کی کابینہ کرے گی... جیسے بھٹو کے دور میں ایک قومی اتحاد بنا تھا تو پیپلز پارٹی والے اس وقت نعرے لگاتے تھے کہ "نو ستارے بلے بلے۔۔۔ آدھے کنجر، آدھے دلے" وہ تو غلط تھا لیکن یہاں پر جو کابینہ ہے وہ واقعتاً آدھے کنجر آدھے دلّے ہیں تو یہ قرآن وسنت کی تشریح کریں گے؟ یا قرآن وسنت کی تشریح یہ پارلیمنٹ، سینٹ اور قومی اسمبلی سے کرائیں گے۔ قومی

اسمبلی اور سینیٹ کی حالت یہ ہے کہ آپ نے علامہ اقبال کا نام سنا ہو گا... اس کا بیٹا جاوید اقبال ہے .... جو پہلے چیف جسٹس تھا لاہور ہائی کورٹ کا... اور اب سینیٹر ہے مسلم لیگ کا، اس کا بیان چھپا، ''نوائے وقت '' اخبار میں اور اس پر اداریہ بھی لکھا گیا کہ جب پارلیمنٹ کا اجلاس ہوتا ہے تو اسلام آباد میں شراب مہنگی ہو جاتی ہے ، کیا مطلب ؟ مطلب یہ کہ یہی اسمبلی کے ممبران... سب شرابی ہیں۔ یہ لوگ اسلام کی تشریح کریں گے ؟ اور یہ لوگ قرآن وسنت کی تشریح کریں گے ؟

تیسرے نمبر پر یہ ہے کہ عدالتیں تشریح کریں گی ، عدالتوں کے اندر جو جج بٹھائے ہوئے ہیں... اب اگر میں کچھ کہوں گا تو توہین عدالت ہو گی... وہ بے چارے کس حیثیت کے لوگ ہیں... لہٰذا شریعت بل کا سارا چکر ویسے ہی ہے جیسے نواز شریف نے کالا باغ ڈیم کے مسئلے کو سر پر اٹھا کر اسے متنازعہ بنادیا... اسی طریقے سے اب اسلام کو متنازعہ بنانا چاہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ میرے بھائیو ! کہ اس دنیا میں جہاں بھی اسلام آئے گا... اسلام غالب ہو گا... وہ جہاد کے ذریعے سے ہو گا، اس کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں ہے...

میں جو آخری بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حالات کو دیکھ کر اب پاکستانی ملت میں بیداری پیدا ہو رہی ہے... خصوصاً نوجوان طبقے میں اللہ تعالیٰ نے ایک بیداری پیدا کی ہے.... ان کے ذہنوں میں انقلاب کا جذبہ پیدا ہوا اور وہ یہ سوچنے لگے کہ افغانستان میں اگر دین دار نوجوان اور دینی مدارس کے طلبہ اٹھ کر دین لا سکتے ہیں تو پاکستان میں ایسا کیوں نہیں ہو سکتا؟ وہاں پر دینی مدارس کے لوگ اگر حکومت چلا سکتے ہیں... امن وامان... امریکہ سے، برطانیہ سے، جرمنی سے، جاپان سے.... سب سے بہتر ہے وہاں،

تو اس سے لوگوں کے اندر ایک جذبہ پیدا ہوا ہے۔ افغانستان میں جب انقلاب نہیں آیا تھا تو پاکستان میں اگر کسی پر کوئی ظلم ہوتا تو وہ کہتا کہ " یہاں خمینی آنا چاہیئے کہ سب کو ختم کر دے" یہ وہ مجبوراً اس لئے کہتے تھے کہ کوئی اور مثال سامنے موجود نہ تھی۔ اب الحمد للہ ایک مثال سامنے موجود ہے.... اب جس کسی پر بھی ظلم ہوتا ہے وہ کہتا ہے" یہاں طالبان آنے چاہئیں" لیکن بھائی بات یہ ہے کہ افغانستان کے اندر اسلامی حکومت آئی اور اسلامی شریعت آئی... کب آئی؟... جب سولہ لاکھ انسان شہید ہوئے.... دس لاکھ آدمی معذور ہوئے .... کسی کا ہاتھ نہیں، کسی کی آنکھ نہیں، کسی کا کان نہیں، کسی کی ٹانگ نہیں .... اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ انعام دیا یہ احسان کیا کہ افغانستان کو اسلامی حکومت ملی۔

علماء اور دینی مدارس کے طلبہ کی حکومت ملی اور اسلامی نظام ملا۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا انعام ہے، احسان ہے.... اللہ تعالیٰ مفت میں کسی کو نہیں دیتے۔ جب تک کہ قربانیاں نہ ہوں۔ تو پاکستان میں لوگ یہ تو تمنا کرتے ہیں کہ طالبان کی حکومت ہو یا طالبان جیسی حکومت ہو لیکن اس کے لئے جس قربانی کی ضرورت ہے اس قربانی کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ چاہتے ہیں کہ رات کو ہم سوئیں اور صبح جب ہم اٹھیں تو طالبان کی حکومت ہو، ایسا تو نہیں ہوتا .... اللہ تبارک وتعالیٰ کی یہ سنت اور طریقہ نہیں ہے.... اللہ تبارک وتعالیٰ تو آزماتے ہیں اور آزمائش پر پورا اترنے کے بعد پھر اللہ تبارک وتعالیٰ ہدایت کے انعامات کے دروازے کھولتے ہیں۔

[بحوالہ ماہنامہ سنابل: ص ۳۳ تا ص ۳۴، مئی ۲۰۱۳ء]

جمہوریت فقیہ العصر حضرت مولٰنا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

سوال: موجودہ جمہوری نظام جو دنیا کی اکثر ممالک میں نافذ ہے جس میں بیک وقت کئی جماعتوں کا وجود شرط ہے۔ کیا اسلام میں اس کی گنجائش ہے؟

بیّنوا توجروا

الجواب باسم ملهم الصواب

اسلام میں مغربی جمہوریت کا کوئی تصور نہیں، اس میں متعدد گروہوں کا وجود (حزب اقتدار و حزب اختلاف) ضروری ہے، جب کہ قرآن اس تصور کی نفی کرتا ہے:

''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا (۳: ۱۰۳)

اس میں تمام فیصلے کثرتِ رائے سے ہوتے ہیں جب کہ قرآن اس انداز فکر کی بیخ کنی کرتا ہے:

''وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ الآية (۶: ۱۱۶)

یہ غیر فطری نظام یورپ سے برآمد ہوا ہے جس میں سروں کو گنا جاتا ہے تولا نہیں جاتا۔ اس میں مرد و عورت، پیر و جواں، عامی و عالم بلکہ دانا و نادان سب ایک ہی بھاؤ تلتے ہیں۔

جس امیدوار کے پلے ووٹ زیادہ پڑ جائیں وہ کامیاب قرار پاتا ہے اور دوسرا سراسر ناکام۔ مثلاً کسی آبادی کے پچاس علماء، عقلاء اور دانشوروں نے بالاتفاق ایک شخص کو ووٹ دیئے، مگر ان کے بالمقابل علاقہ کے بھنگیوں، چرسیوں اور بے دین و اوباش لوگوں نے اس کے مخالف امیدوار کو ووٹ دیئے جن کی تعداد اکاون ہوگئی تو یہ امیدوار کامیاب اور پورے علاقے کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا۔ یہ مفروضہ نہیں حقیقت واقعہ ہے، دنیا کی سب بڑی اسلامی ریاست (پاکستان) میں ۱۹۷۰ء کے

انتخابات میں اس کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوا کہ بڑے بڑے علماء و مشائخ کے مقابلہ میں بے دین، بے نماز، بے ریش عیاش و فحاش قسم کے لوگ کھڑے ہوئے اور بھاری اکثریت سے جیت گئے۔ ۱۹۸۸ء کے الیکشن میں اس سے بھی تلخ تجربہ ہوا کہ پورے ملک میں جگہ جگہ مغرب زدہ فاحشہ عورتیں کھڑی ہوئیں اور اپنے مقابل بشمول علماء و مشائخ بڑے بڑے مشہور سیاستدان مردوں کو شکست دے کر ایوان اقتدار میں پہنچ گئیں۔

پھر ووٹ لینے کے لئے ہر جائز و ناجائز حربہ کا استعمال لازمہ جمہوریت ہے، لیلائے اقتدار کی خاطر تمام انسانی اقدار بلکہ خونی رشتے تک فراموش کر دیئے جاتے ہیں، ایک ہی علاقہ میں سگے بھائی، باپ، بیٹا بلکہ میاں بیوی تک مد مقابل ہوتے ہیں، ہر فریق اپنے مقابل کو چت کرنے کے لئے پیسہ پانی کی طرح بہاتا ہے، چنانچہ ہر الیکشن میں اربوں روپے برباد ہوتے ہیں۔ مزید برآں دھونس، دھاندلی، دھوکا، فریب، رشوت، غرض تمام ہتھکنڈے استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور کوئی ہتھکنڈا کارگر نہ ہو تو مخالف ووٹروں کو ڈرایا، دھمکایا بلکہ قتل تک کر دیا جاتا ہے:

فرنگ آئین جمہوری نہاد است
رسن از گردن دیوے کشاد است

اس کا تجزیہ پاکستان کے ایک معروف صحافی نے یوں کیا:

”الیکشن کے چند دن ملک میں گناہوں کے سیزن ہوتے ہیں، چنانچہ ملک کے چپے چپے پر جس قدر جھوٹ، چغلی، غیبت، فریب و دغا، بد دیانتی، ضمیر فروشی، بے حیائی اور ڈھٹائی کا ارتکاب ان چند دنوں میں ہوتا ہے پورے سال میں نہیں ہوتا۔“

جب الیکشن کا دن آتا ہے تو پورے ملک پر خوف وہراس کے بادل چھا جاتے ہیں، اس میں پولیس، رینجرز بلکہ فوج کی نگرانی کے باوجود ہنگامہ آرائی، مار دھاڑ اور قتل و غارتگری کا بازار گرم ہوتا ہے۔ اب تک جو ملک میں چند الیکشن ہوئے ہیں ان میں سینکڑوں افراد مارے جا چکے ہیں۔

پھر جس گھڑی نتائج کا اعلان ہوتا ہے وہ قیامت کی گھڑی ہوتی ہے، ہارنے والوں میں بہت سے لوگ دماغی توازن کھو بیٹھتے ہیں، چنانچہ ۱۹۸۸ء کے الیکشن ہونے پر اخباروں میں آیا کہ نفسیاتی ہسپتال اس قسم کے پاگلوں سے بھر گئے ہیں جو رات کو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں اور نعرہ بازی سے ہسپتال سر پر اٹھا لیتے ہیں۔

اور جو کامیاب ہوتے ہیں ان کی چاندی ہو جاتی ہے، ایوان اسمبلی میں پہنچ کر ان کی بولی لگتی ہے، فیکٹریوں کے پرمٹ، پلاٹس، وزارتیں، غرض یہ کہ طرح طرح کے لالچ اور جھکمے دے کر انہیں خریدا جاتا ہے، کچھ عرصہ بیشتر صدر مملکت کا بیان اخباروں میں شائع ہوا تھا کہ ہماری قومی اسمبلی بکرا منڈی بن چکی ہے۔

پھر قوم کے یہ منتخب نمائندے اسمبلی ہال میں بیٹھ کر کیا گل کھلاتے ہیں؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں، آئے دن اخباروں میں چھپتا ہے کہ فلاں وزیر نے سود کے جواز پر دلائل پیش کئے، فلاں نے ملّاازم کہہ کر اسلام کا مذاق اڑایا، فلاں عورت نے داڑھی کا تمسخر کیا اور ان مہذب لوگوں کے مابین گالم گلوچ و دشنام طرازی اور تُوتکار تو عام سی بات ہے، بات بڑھ جائے تو ایک دوسرے سے دست و گریبان ہو جاتے ہیں، پھر گھونسہ بازی بلکہ کرسی بازی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

سابق مشرقی پاکستان کی اسمبلی میں اس زور کی کرسی بازی ہوئی کہ پارلیمانی اسپیکر بیچ بچاؤ کرتے ہوئے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے، بالآخر اسمبلی کی عمارت میں زمین سے پیوست کرسیاں بچانا پڑیں کہ لڑائی میں استعمال نہ ہو سکیں۔

یہ تمام برگ و بار مغربی جمہوریت کے شجرہ خبیثہ کے پیداوار ہیں۔ اسلام میں اس کافرانہ نظام کی کوئی گنجائش نہیں، نہ ہی اس طریقے سے قیامت تک اسلام آسکتا ہے۔

''الجنس یمیل الی الجنس'' عوام (جن میں اکثریت بے دین لوگوں کی ہے) اپنی ہی جنس کے نمائندے منتخب کر کے اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں۔

اسلام میں شورائی نظام ہے جس میں اہل الحل والعقد غور و فکر کر کے ایک امیر کا انتخاب کرتے ہیں، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وفات کے وقت چھ اہل الحل والعقد کی شوریٰ بنائی جنہوں نے اتفاق رائے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد کیا۔

اس پاکیزہ نظام میں انسانی سروں کو گننے کی بجائے انسانیت کا عنصر تولا جاتا ہے، اس میں کسی ایک ذی صلاح مدبر انسان کی رائے لاکھوں بلکہ کروڑوں انسانوں کی رائے پر بھاری ہو سکتی ہے:

گریز از طرز جمہوری غلامِ پختہ کارے شو
کہ در مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کسی سے استشارہ کے بغیر صرف اپنی ہی صوابدید سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، آپ کا یہ انتخاب کس قدر موزوں مناسب اور

بچا تُلا تھا؟ اس کا جواب الفاظ میں دینا ممکن نہیں، اس حقیقت کا مشاہدہ پوری دنیا کھلی آنکھوں سے کر چکی ہے۔ والعیان یغنی عن البیان ۔ واللہ تعالیٰ اعلم ۔

[احسن الفتاویٰ:٦/ ٢٤تا٢٧]

جمہوریت حضرت مولٰنا مفتی محمد عاشق الٰہی بلند شہری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

تبلیغی اور اصلاحی مضامین جلد ۵ میں '' ولو أعجبک کثرۃ الخبیث ''کا عنوان باندھ کر حضرت '' موجودہ جمہوریت اور اس کے تعارف '' سے پہلے پورے مضمون کا خلاصہ یوں بیان کرتے ہیں:

آج کل جمہوریت کا بڑا اچرچہ ہے اور اسے بڑی اہمیت دی جارہی ہے بعض لوگ اسے اسلامی شوریٰ کے قائم مقام سمجھتے ہیں ۔ اس مضمون میں جمہوریت رائجہ کے مضمرات بیان کئے ہیں۔

موجودہ جمہوریت اور اس کا تعارف

زمانہ قدیم میں بادشاہتیں جاری تھیں ولی عہدی کے اصول پر بادشاہت ملتی تھی عرب و عجم میں بادشاہ تھے ان میں ظالم بھی تھے، رحم دل بھی تھے، اور انصاف پسند بھی، لیکن بادشاہت کی تاریخ میں زیادہ تر مظالم ہی ملتے ہیں۔ ان مظالم سے تنگ آکر یورپ والوں نے جمہوریت کا طرزِ حکومت جاری کیا اور اس کا نام عوامی حکومت رکھا۔ اس کے جو طریق کار ہیں انہیں عام طور سے سبھی جانتے ہیں۔ اس جمہوریت کا خلاصہ عوام کو دھوکا دینا اور کسی ایک پارٹی کے چند افراد کے ملک پر مسلط ہونے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ عنوان یہ ہے کہ اکثریت کی رائے انتخاب میں معتبر ہو گی اور انتخاب بالغ رائے دہندگی کی بنیاد پر ہو گا اس میں امیدوار کے لئے عالم ہونا، دیندار ہونا اور مسلمان

ہونا بھی شرط نہیں، پڑھے لکھے اور بالکل جاہل جیٹ مرد عورت امیدوار بن کر کھڑے ہو جاتے ہیں بعض پارٹی کے نمائندے ہوتے ہیں اور بعض آزاد ہوتے ہیں ا ن میں بعض وہ بھی ہوتے ہیں جو اسلام کے خلاف بولتے رہتے ہیں۔ اسلام کے حدود و قصاص کو ظالمانہ کہتے ہیں جس کی وجہ سے حدود کفر میں داخل ہو جاتے ہیں اور انتخاب میں پارٹیوں کے زور پر اور سرداروں کے زور پر اور پیسوں کے زور پر جیت جاتے ہیں۔ ووٹ دینے والے بھی عموماً وہی لوگ ہوتے ہیں جو دینِ اسلام کے تقاضوں کو نہیں جانتے لہٰذا بے پڑھے اور ملحد و زندیق بھی منتخب ہو کر پارلیمنٹ میں آجاتے ہیں، جس شخص کو زیادہ ووٹ مل گئے، وہی ممبر منتخب ہو جاتا ہے۔ اگر کسی سیٹ پر گیارہ آدمی کھڑے ہوں تو ان میں سے اگر دس آدمیوں کو ۱۵۔۱۵ ووٹ ملیں اور ایک شخص کو سولہ ووٹ مل جائیں تو یہ شخص سب کے مقابلے میں کامیاب مانا جائے گا، اور کہا جائے گا کہ اکثریت سے منتخب ہوا حالانکہ اکثریت اس شخص کے مخالف ہے، ڈیڑھ سو افراد نے اسے ووٹ نہیں دیئے۔ سولہ آدمیوں نے ووٹ دیئے ہیں ڈیڑھ سو کی رائے کی کوئی حیثیت نہیں یہ جمہوریت ہے جس میں ۱۵۰ آدمیوں کی رائے کا خون کیا گیا، اور سولہ افراد کی رائے کو مانا گیا۔ پھر پارلیمنٹ میں جس کسی پارٹی کے افراد زیادہ ہو جائیں اسی کی حکومت بن جاتی ہے، اور وہ افراد بھی اسی طریقہ پر پارلیمنٹ آئے ہیں جو ابھی ذکر ہوا، اس طرح سے تھوڑے سے افراد کی پورے ملک پر حکومت ہو جاتی ہے، اور پا رٹی کے چند افراد اختیار سنبھال لیتے ہیں، اور سیاہ سفید کے مالک ہو جاتے ہیں۔ خود پارٹی کے جو افراد کسی بات سے متفق نہ ہوں انہیں پارلیمنٹ میں پارٹی ہی کے موافق بولنا پڑتا ہے، اپنی ذاتی رائے کا خون کر دیتے ہیں۔ یہ جمہوریت اور اکثریت کی حقیقت ہے۔

پھر خدا کی پناہ مرکزی حکومت کے صدر اور وزیر اعظم اور دوسرے وزراء کے بے تکے اخراجات، بنگلے اور ان کی سجاوٹیں، گاڑیاں، ڈرائیور، پٹرول کا خرچ، باورچی، مالی اور دوسرے خادموں کی تنخواہیں اور وزیروں کی بے جا کھپت پارٹی کے آدمی ہونے کی بنیاد پر خواہ مخواہ عہدے نکالنا اور حد یہ ہے کہ وزیر بے قلمدان بنانا اور کثیر تعداد میں مشیروں کو کھپانا ان سب کا بوجھ قوم کی گردن پر ہوتا ہے۔ پھر ہر صوبے کا گورنر، وزیر اعلیٰ دوسرے وزراء اور نائب وزراء ان سب اخراجات سے ملک کا خزانہ خالی ہو جاتا ہے، اور ملک چلانے کے لئے قرضے لیتے ہیں، اور قوم پر ٹیکس لگاتے ہیں، انکم ٹیکس، بر آمد ٹیکس، کسٹم ڈیوٹی۔ یہ سب مصیبت قوم پر سوار ہوتی ہے اور عوام کو دھوکا دے رکھا ہے کہ تمہاری حکومت ہے، عوام ان پارٹی بازوں اور سیاسی بازی گروں کی باتوں میں آجاتے ہیں اور سیدھا سادھا اسلامی نظام جس میں ایک امیر مرکزی حکومت میں ہو جس کا معمولی سا وظیفہ ہو، اور علاقوں میں چند امیر ہوں، اور یہ سب لوگ سادگی کے ساتھ رہیں، بقدر ضرورت واجبہ ان کو وظیفہ مل جائے، معمولی سے گھر میں رہیں، اگر کسی کا اپنا گھر ہے تو اسی میں قیام پذیر ہو، اس نظام کو ماننے کے لئے لوگ تیار نہیں، انّاللہ وانّا الیہ راجعون

کہا جاتا ہے کہ اسلام میں جمہوریت ہے، اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں شوریٰ کی بھی کوئی حیثیت ہے تو یہ بات ٹھیک ہے۔ مگر اس کی حیثیت وہی ہے جو اوپر ذکر کر دی گئی، ایسی جمہوریت جس میں پورے ملک میں انتخاب ہو، بالغ رائے دہی کی بنیاد پر، ہر کس و ناکس ووٹر ہو، اور کثرتِ رائے پر فیصلہ رکھا جائے، اسلام میں ایسی جمہوریت نہیں۔ بعض اہل علم بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ وہ اسلام کی بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں، اور کہتے ہیں کہ ہم بڑی محنت سے جمہوریت کو

لائے ہیں اب اس کے خلاف کیسے بولیں۔ اور ان کی لائی ہوئی جمہوریت بالکل جاہلانہ جمہوریت ہوتی ہے، جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ انتخاب میں کوئی بھی کیسا ہی بے دین منتخب ہو جائے جمہوریت جاہلیہ کی وجہ سے اس کے عہدے کو ماننے پر مجبور ہوتے ہیں، کہ اب کیا کریں اب تو منتخب ہو ہی گیا، عوام کی رائے کو کیسے ٹکرائیں، ان لوگوں کو غلطی یہ ہے کہ حکومت عوام کی سمجھتے ہیں حالانکہ حاکم حق تعالیٰ شانہ ہے، عوام اللہ کے قانون کے تابع ہیں، اس کے خلاف چلنے، بولنے اور کوشش کرنے کی اجازت نہیں۔

حضرات خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کا انتخاب

یہ تو سب جانتے ہیں کہ حضرت ابو بکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم خلفائے راشدین تھے، ان حضرات کو منتخب کرتے وقت کوئی بالغ رائے دہندگی پر انتخاب نہیں ہوا، نہ پورے ملک سے ووٹ لئے گئے، تاریخ اور سیرت کے جاننے والے اس امر سے واقف ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرات مہاجرین اور انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے۔ وہاں اس بات کا مشورہ ہو رہا تھا کہ امیر کون ہو۔ انصار میں سے بعض حضرات یہ رائے دے رہے تھے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک مہاجرین میں سے ہو۔ حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما بھی وہاں پہنچ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ لایئے، میں بیعت کرتا ہوں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھا دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کرلی، اس کے بعد مہاجرین نے بیعت کرلی، ان کے بعد انصار نے بیعت کی۔ یہ تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا انتخاب تھا جو سب سے پہلے خلیفہ تھے اس کی تفصیل البدایہ والنہایہ ص ۲۴۶ ج ۵ میں مذکور ہے۔ اس کے بعد جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے بغیر کسی مشورے کے حضرت عمر رضی اللہ

عنہ کو خلیفہ بنادیا۔ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دشمن نے خنجر مار دیا اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اب میں جانبر ہونے والا نہیں ہوں تو انہوں نے فرمایا: کہ خلافت کا مستحق ان حضرات کے علاوہ کوئی نہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم راضی تھے۔ اور اسی حالت رضامندی میں آپ کی وفات ہوئی۔ پھر انہیں حضرات میں سے حضرت علی، حضرت عثمان، حضرت زبیر، حضرت طلحہ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کے نام لئے اور فرمایا کہ ان میں سے کسی ایک کو منتخب کر لیا جائے، ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ میرا بیٹا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مشورہ میں شریک ہوگا لیکن اُسے خلافت سُپرد نہ کی جائے، اور فرمایا کہ اگر سعد کو منتخب کر لیا جائے تو وہ اس کے اہل ہیں اور اگر ان کے علاوہ کسی اور کو امیر بنالیا جائے تو ان سے مدد لیتا رہے، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی اور ان کو دفن کر دیا گیا، تو وہ حضرات جمع ہوئے جن کو خلافت کے لئے نامزد فرمایا تھا کہ اپنے میں سے کسی کو منتخب کر لیں۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم سب اپنا معاملہ تین آدمیوں کے سُپرد کرو۔ حضرت زبیر نے فرمایا میں نے اپنا معاملہ علی رضی اللہ عنہ کے سُپرد کیا اور حضرت طلحہ نے فرمایا کہ میں اپنا معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سُپرد کیا۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنا معاملہ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سُپرد کیا۔ اس کے بعد حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما سے کہا کہ تم دونوں میرے سُپرد کرتے ہو تو میں تم میں سے جو افضل ترین ہوگا اس کے انتخاب میں کوتاہی نہیں کروں گا۔ ان دونوں نے کہا کہ ہاں ہم تمہارے سُپرد کرتے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے دونوں سے علیحدہ علیحدہ تنہائی میں بات کی اور دونوں نے اقرار کیا کہ اگر میرے علاوہ کسی دوسرے کو تم نے امیر بنادیا تو میں فرمانبرداری کروں گا، اس کے بعد

انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ لاؤ ہاتھ بڑھاؤ، یہ کہہ کر خود ان سے بیعت کر لی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے بیعت کر لی۔ دوسرے حضرات جو باہر منتظر تھے وہ بھی اندر آئے اور انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کر لی۔ مفصل واقعہ صحیح بخاری ص ۵۲۴ ج ۱ میں مذکور ہے۔ یہ انتخاب خلیفہ ثالث کا تھا (اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برضاء ورغبت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی تھی اور پہلے سے اقرار کر لیا تھا کہ اگر ان کو امیر بنا دیا گیا تو میں فرمانبردار رہوں گا)۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو ان کی جگہ کسی امیر کے انتخاب کی ضرورت محسوس کی گئی، اہلِ مصر جنہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اصرار کرتے رہے کہ آپ خلافت کا بوجھ سنبھالیں لیکن وہ راضی نہ ہوئے اور باغوں کی طرف تشریف لے گئے۔ کوفہ والوں نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تلاش کیا وہ بھی نہ ملے۔ بصرہ والوں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے عرض کیا انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معروض پیش کی انہوں نے بھی قبول نہ کیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس گئے انہوں نے بھی نہ مانا۔ ساری کوششیں کر کے پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خلافت قبول کرنے پر اصرار کرتے رہے۔ آخر میں انہوں نے ذمہ داری قبول فرمائی۔ یہ تفصیل البدایہ والنہایہ ص ۲۲۶ ج ۷ میں لکھی ہے۔

یہ چاروں خلفاء کا انتخاب تھا، ان میں کبھی بھی پورے ملک میں الیکشن نہیں ہوا بلکہ پورے صحابہ بھی شریک نہیں ہوئے، نہ پورا مدینہ شریک ہوا، چند افراد نے منتخب کر لیا۔ سب نے مان لیا۔

ممکن ہے مغرب کی جمہوریت جاہلیت سے مرعوب ہو کر بعض ناواقف یہ کہنے لگیں کہ صحیح طریقہ وہی ہے جو آج کل رواج پائے ہوئے ہے۔ اُن حضرات نے انتخاب صحیح نہیں کیا۔(العیاذ باللہ)

اس جاہلانہ اپچ کا جواب دینے کی ضرورت تو ہے نہیں لیکن پھر بھی ہم عرض کر دیتے ہیں، کہ یہ اعتراض اللہ تعالیٰ کی ذات پر پہنچتا ہے۔ اللہ جل شانہ نے سورہ توبہ کی آیت نمبر ۱۰۰ میں مہاجرین و انصار اور جو خوبی کے ساتھ ان کا اتباع کریں، ان کی تعریف فرمائی اور ان کے بارے میں ''**رضی اللہ عنهم و رضوا عنه**'' فرمایا۔ اگر انہیں حضرات نے اسلام کو نہیں سمجھا اور امیر کا انتخاب جس طرح ہونا چاہیئے تھا اس طرح نہیں کیا تو ان کے بعد اسلام کو اور اسلام کے تقاضوں کو جاننے والا کون ہے؟ پھر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین۔ (رواہ ابوداؤد، الترمذی)

ترجمہ:۔ کہ میرے طریقے کو اور خلفاء راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا۔

اگر ان حضرات کا اپنا انتخاب صحیح نہیں اور انہوں نے دوسروں کا انتخاب صحیح نہیں کیا تو وہ خلفاء راشدین ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر آج کے جاہلوں کی بات مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ حضرات صحابہ میں سے کوئی بھی خلیفہ راشد نہیں ہوا (العیاذ باللہ) دشمنوں کے طریقہ کار سے مرعوب ہو کر اسلام کی تحریف اور تبدیل پر آمادہ ہو جانا ایمانی تقاضوں کے سراسر خلاف ہے۔[تبلیغی اور اصلاحی مضامین: ص۲۴۵ ج۵]

جمہوریت حضرت مولٰنا شیخ ولی اللہ کابلگرامی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

وہ اپنی کتاب ''إعلام الأعلام بمفهوم الدين والإسلام أو رفع الحجاب عن مضار الجمهورية والإنتخاب'' ص ۳۲۷ میں تحریر فرماتے ہیں:

''وجمهورية عصرنا هذا فيها إعطاء سلطة التشريع غيره سبحانه وفيها اسناد الأمر إلى غير أهله وفيها تأمير الفساق فى الأكثر الغالب دون الأهل والصالحين ـــــ (إلى ان قال) جمهورية عصرنا فى العالم كلّه ضدّ الإسلام۔'' [إعلام الأعلام: ص۳۲۷]

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے تو پوری کتاب دین اور اسلام کے مفہوم پر لکھ کر آخر میں جمہوریت پر قرآن وحدیث کے دلائل سے سخت رد کیا ہے، چونکہ کتاب عربی میں ہے اس لئے علماء وطلبہ بالخصوص اس کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

رحمه الله رحمةً واسعةً

جمہوریت حضرت مولٰنا مفتی محمود حسن گنگوہی نوّر اللہ مرقدہ (صاحب فتاویٰ محمودیہ) کی نظر میں

ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

سوال: کیا ہمارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جمہوریت کو قائم کیا تھا؟ اور کیا خلفائے اربعہ بھی اس جمہوریت پر چلے یا انہوں نے کچھ تغیر و تبدل کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے جمہوریت کی تردید فرمائی ہے:

حیث قال ولما کانت المدینة ذات اجتماع عظیم لا یمکن أن یتفق رأیهم جمیعاً علی حفظ السنة۔ (أی الطریقة العادلة)۔ [حجۃ اللہ البالغۃ:۱ / ۱۳۵، ط:قدیمی
]

وہاں قوانین احکام کا مدار دلائل پر نہیں بلکہ اکثریت پر ہے یعنی کثرت رائے سے فیصلہ ہوتا ہے، پس اگر کثرت رائے قرآن وحدیث کے خلاف ہو تو اس پر فیصلہ ہوگا، قرآن کریم نے اکثریت کی اطاعت کو موجب ضلالت فرمایا ہے:

"وإن تطع اکثر من فی الأرض یضلوک عن سبیل اللہ"۔ [سورہ انعام: آیت ۱۱۶]

اہل علم، اہل دیانت اور اہل فہم کم ہی ہوا کرتے ہیں خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے والے تھے، انہوں نے اس کے خلاف کوئی دوسری رائے اختیار نہیں کی۔ [ص:۶۰۰]

مزید ص ۶۰۲ میں فرماتے ہیں:

آج کل جمہوریت کا مفہوم یہ ہے کہ ہر بالغ مرد وعورت خواندہ یا ناخواندہ عاقل کو ووٹ دینے کا حق حاصل ہے اور ان کے ووٹوں کی اکثریت سے سربراہ حکمران تجویز کیا جاتا ہے۔ اسلام میں اس جمہوریت کا کہیں وجود نہیں نہ کوئی سلیم العقل اس کے اندر خیر تصور کرسکتا ہے، ظاہر ہے کہ اکثریت نادانوں اور جاہلوں کی ہے۔ وہ لوگ ایسے ہی شخص کو ووٹ دیں گے جن کے ذریعے ان کی خواہشات پوری ہونے کی توقع ہو، اور یقین ہے کہ ان کی خواہشات میں خیر غالب نہیں۔ تو شر پھیلانے والے کا انتخاب کرنا کون سی عقل کی بات ہے۔ (آگے فرماتے ہیں)

اس ملک وحکومت کا کیا ٹھکانہ ہے کہ جہاں سربراہی کا معیار اہلیت اور دلائل سے ہٹ کر عوام کالانعام کی کثرت رائے پر رکھ دیا جائے۔

[فتاویٰ محمودیہ:۴ / ۶۰۰، ۶۰۲۔ ط: فاروقیہ کراچی]

جمہوریت مفتی اعظم پاکستان حضرت مولٰنا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

چنانچہ وہ معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں:

”موجودہ طرز کی جمہوریتیں چونکہ بادشاہی ظلم و ستم کے ردّ عمل کے طور پر وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں، کہ عوام کو مطلق العنان بنا کر پورے آئین حکومت اور قانون مملکت کا ایسا آزاد مالک بنایا کہ ان کے قلب و دماغ زمین و آسمان اور تمام انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا اور اصلی مالکیت اور حاکمیت کے تصور سے بھی بیگانہ ہو گئے۔ اب ان کی جمہوریت خدا تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے عوامی اختیار پر خدا تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو بھی بار خاطر خلاف انصاف تصور کرنے لگی۔“ [معارف القرآن:۲ / ۲۲۳]

جمہوریت مولٰنا سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

جامع مسجد برمنگھم انگلینڈ میں ”توحید و سنت کانفرنس“ میں مولٰنا نے ایک زور دار پُر مغز تقریر کی ہے۔ یہاں ان کے بعض اقتباسات نقل کئے جاتے ہیں۔

”ہم مسلمان علماء، صوفیاء، محدثین، مفسرین اصحاب بیعت و ارشاد اگر اس اللہ کی حکمرانی، اس کے عطا کئے ہوئے نظام ریاست و سیاست کو چھوڑ کر کسی اور طرف رُخ کریں تو یہ بھی تو شرک ہی ہے..... اور کیا ہے؟ اگر ایک قبر کو مشکل کشا ماننا شرک ہے تو کسی اور نظام ریاست امپریلزم، ڈیموکریسی، کمیونزم، کیپیٹل ازم اور تمام غیر اسلامی باطل نظام ہائے ریاست کو ماننا کب اسلام ہو سکتا ہے؟

''وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيْدًا''

''جو شخص شرک کرتا ہے تحقیق وہ بہت دور کی گمراہی میں مبتلا ہوا۔'' اور قرآن ان کو تحدی کرتا ہے، چیلنج کرتا ہے۔ امام المشرقین والمغربین، رسول الثقلین، شفیع المذنبین، مولائے کائنات، محمد رسول اللہ ﷺ کو کہتا ہے:

''اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَا اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ''

''اے محمد ﷺ آپ دیکھتے نہیں ان کی طرف، ان کے حالات، ان کا ماضی و حال ان کی سازش، وہ اپنے تئیں گمان کرتے ہیں، ''یفھمون ویزعمون'' کہ وہ آپ پر بھی ایمان لے آئیں اور آپ سے پہلے جو کچھ نازل ہوا اس پر بھی ایمان لے آئیں:

''يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ''

حقیقت حال یہ ہے کہ وہ طاغوت کی حکمرانی قائم کرنا چاہتے ہیں۔

ڈیموکریسی، امپریلزم، کمیونزم اور کیپٹل ازم وغیرہ طاغوت ہیں، یہ سب نظام کفر ہیں اور حق سے پھیرنے والے ہیں:

''فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى''

طاغوت سے انکار کیجئے، ماننے سے پہلے طاغوت کو ودآؤٹ کرنا واجب ہے۔ اللہ کی وحدت کو ماننے سے پہلے اللہ کی اپوزیشن (معارضہ) کو کنڈم (ختم) کرو۔ اس کی اپوزیشن کو رد نہیں کرتے بلکہ اس سے مفاہمت کرتے ہو۔

تم کیسے انقلابی ہو جو خدا کے دشمنوں سے معاونت کرتے ہو، اور ان سے ووٹ مانگتے ہو، (جمہوریت میں) اگر کسی آدمی کا ایک ووٹ ہے تو حضور ﷺ کا بھی ایک ووٹ ہے، ابوجہل کا بھی ایک ووٹ ہے۔

هذا فی الاسلام... کیا یہ اسلام ہے؟

اور اگر ابوجہل کا ووٹ تھا تو اس کو ابوجہل کہنے کا کیا مطلب...؟ وہاں ابوبکر رضی اللہ عنہ کا، عمر رضی اللہ عنہ کا، عثمان رضی اللہ عنہ کا، علی رضی اللہ عنہ کا، معاویہ رضی اللہ عنہ کا، حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کا، ابو سفیان رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، ابو عبیدہ ابن جراح رضی اللہ عنہ، خالد بن ولید رضی اللہ عنہ، عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ کسی کا ووٹ نہیں... تم کہاں ہو؟ تم... جن کو شریعت کے مطابق استنجا کرنے کا علم نہیں.....

قبر کو سجدہ کرنے والا مشرک، پتھر، لکڑی اور درخت کو مشکل کشا ماننے والا حاجت روا ماننے والا مشرک!... اور غیر اللہ کے نظاموں کو مرتب کرنا اور اس کے لئے تگ ودو کرنا اور اس نظام کو قبول کرنا یہ توحید ہے...؟

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

اور بقول اقبال:

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے ناامیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یہودیوں کو نکال دو، ہم کہتے ہیں کہ پاکستان میں مرزائیوں کی تبلیغ کو خلافِ قانون قرار دو۔ اگر ہم یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہیں تو یہ اسلام کے بغیر نہیں ہوگا۔

موجودہ نظاموں میں جتنے بھی نظام ہیں ان کے قانونی جمہوری حقوق ہیں۔ خمینی کے بھی حقوق ہیں، مرزائیوں کے بھی حقوق ہیں۔

اگر آپ اسلام چاہتے ہیں تو پھر نہ خمینی کے حقوق ہیں، نہ مرزائیوں کے حقوق ہیں، نہ کسی مشرک کے حقوق ہیں، نہ کسی فاسق و فاجر کے، نہ کسی ابلیس کے شاگرد کے۔ ہاں ان کی ذاتی بنیادی حقوق ہیں۔ جن سے تجاوز اسلام کے قانون کی خلاف ورزی ہے۔ ابلیس کے جتنے بھی لشکر ہیں۔ "جنود ابلیس" کے کسی جندی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اسلامی ریاست میں اپنی فکر کی ترویج واشاعت کرے۔ اپنی تبلیغ واشاعت کے لئے اپنے لوگوں کو اکٹھا کرے۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا بجز ایک فرماں بردار خموش شہری کے۔

اللہ مجھے اور آپ کو اس نعمت سے سرفراز ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آپ کو اور تمام دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کو جو مختلف نظام ہائے ریاست میں جکڑے ہوئے ہیں، اللہ ان کو اس چنگل سے، اس گندگی سے، اس لعنت سے، اس نجاست سے اور شرک کے اس ڈھیر سے نکالے۔ اور ان کو جس طرح حضور ﷺ نے غلاظت کے گڑھے سے نکال کر تخت پر بٹھا دیا تھا۔ شرافت کے تخت پر، ایمان کے تخت پر، اعتقاد کے تخت پر، عمل کے تخت پر، خدا ہمیں پھر اس تخت کا وارث بنائے۔ آمین۔

[بحوالہ ماہنامہ سنابل: ص ۳۵ تا ص ۳۷]

جمہوریت حضرت علّامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

حضرت علامہ رحمۃ اللہ علیہ اسلامی جمہوریت کے تصور کو رد کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

" جمہوریت اور جمہوری عمل کا اسلام سے کیا تعلق ؟ موجودہ جمہوریت تو سترہویں صدی کے بعد پیدا ہوئی ہے۔ یونان کی جمہوریت بھی موجودہ جمہوریت سے الگ تھی۔ لہذا اسلامی جمہوریت ایک بے معنی اصطلاح ہے۔ ہمیں تو اسلام میں کہیں

بھی مغربی جمہوریت نظر نہیں آئی اور اسلامی جمہوریت تو کوئی چیز ہے ہی نہیں، معلوم نہیں اقبال مرحوم کو اسلام کی روح میں یہ جمہوریت کہاں سے نظر آگئی ؟ جمہوریت ایک خاص تہذیب و تاریخ کا ثمرہ ہے، اسے اسلامی تاریخ میں ڈھونڈنا معذرت خواہی ہے۔"

[ماہنامہ سنابل کراچی مئی ۲۰۱۳ء جلد ۸، شمارہ ۱۱، ص: ۲۷، ۲۸]

جمہوریت سابق مہتمم دار العلوم دیوبند مولانا قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

" یہ (جمہوریت) رب تعالیٰ کی صفتِ مالکیت میں بھی شرک ہے اور صفتِ علم میں بھی شرک ہے۔" [فطری حکومت از قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ: بحوالہ ادیان / ۵۴]

جمہوریت حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ (سابق صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان) کی نظر میں:

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ:

" کیا انتخابی سیاسی نظام یا جمہوری نظام کے تحت اسلامی نظام کا نفاذ ممکن ہے؟

تو آپ نے فرمایا: " نہیں، ایسا ممکن نہیں ہے، نہ انتخابات کے ذریعے اسلام لایا جا سکتا ہے، نہ جمہوریت کے ذریعے اسلام لایا جا سکتا ہے، جمہوریت میں کثرتِ رائے کا اعتبار ہوتا ہے اور اکثریت جہلاء کی ہے جو دین کی اہمیت سے واقف نہیں، ان سے کوئی

توقع نہیں ہے۔" [ماہنامہ سنابل کراچی مئی ۲۰۱۳ء جلد ۸، شمارہ ۱۱، سرورق]

جمہوریت بزرگ عالم دین مولنا شاہ محمد حکیم اختر رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں:

چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

" اسلام میں جمہوریت کوئی چیز نہیں کہ جدھر ووٹ زیادہ ہو جائیں ادھر ہی جاؤ، بلکہ اسلام کا کمال یہ ہے کہ ساری دنیا ایک طرف ہو جائے لیکن مسلمان اللہ ہی کا رہتا ہے.... جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی پہاڑی پر نبوت کا اعلان کیا تھا تو الیکشن اور ووٹوں کے اعتبار سے کوئی بھی نبی کے ساتھ نہیں تھا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس صرف اپنا ووٹ تھا۔ لیکن کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیغام کے نظام سے باز آگئے؟ کہ جمہوریت چونکہ میرے خلاف ہے، اکثریت کی ووٹنگ میرے خلاف ہے اس لئے میں اعلانِ نبوت سے باز رہتا ہوں۔"

[خزائن معرفت و محبت: /۲۰۹]

جمہوریت معروف عالم دین مولنا مفتی حمید اللہ جان رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں

" ووٹ موجودہ مغربی جمہوری نظام کی بنیاد ہے اور ووٹ چاہے امانت ہو، شہادت ہو یا وکالت ہو، ہر صورت میں موجودہ مغربی جمہوری نظام کے تحت ووٹ کا استعمال کرنا دراصل مغربی جمہوری نظام کی تائید، تصدیق اور اُسے عملاً تسلیم کرنا اور اسے تقویت دینا ہے جو کہ تعاون علی الاثم کے زمرے میں آتا ہے، مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ موجودہ مغربی جمہوری نظام ہی بے دینی، بے حیائی اور تمام فسادات

کی جڑ ہے اور خصوصاً اس میں اسمبلیوں کو حق تشریع (آئین سازی، قانون سازی) دینا سراسر کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اور ووٹ کا استعمال مغربی جمہوری نظام کو عملاً تسلیم کرنا اور اس کی تمام خرابیوں میں حصہ دار بننا ہے۔ اس لئے موجودہ مغربی جمہوری نظام کے تحت ووٹ کا استعمال شرعاً ناجائز ہے۔" واللہ اعلم

حمید اللہ جان

[رئیس دار الافتاء والارشاد، لاہور پاکستان، بحوالہ ماہنامہ سنابل کراچی مئی ۲۰۱۳ء جلد ۸، شمارہ ۱۱، ص:۳۲]

نوٹ:۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جمہوریت پر ردّ کرتے ہوئے ووٹ کے استعمال کو ناجائز قرار دیدیا ہے، اس پر سوال وجواب ضمیمہ کے نام سے " ووٹ کی شرعی حیثیت" نامی مضمون میں آرہا ہے، ان شاء اللہ

جمہوریت شیخ الحدیث حضرت مولٰنا نور الہدیٰ صاحب حفظہ اللہ کی نظر میں:

اسلام نے اپنی بقا کے لئے جس چیز پر بہت زیادہ توجہ دی ہے وہ اس دین کی امتیازی حیثیت ہے (کہ اسلام کی امتیازی حیثیت برقرار رہے) اور اس دین کو اس کے اوامر وزواجر، اس کے حدود و قواعد کے ساتھ اسی طرح قبول کرنا جس طرح کہ یہ نازل ہوا ہے۔ اور غلو، افراط و تفریط سے دور ہونا اور اس کی تاکید کئی آیات اور احادیث میں کی گئی ہے۔ فرمانِ ربانی ہے:

"فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ"

" تو سیدھا چلا جا جیسا تجھ کو حکم ہوا، اور جس نے توبہ کی تیرے ساتھ، اور حد سے نہ بڑھو، بے شک وہ دیکھتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو"۔ [ہود:۱۱۲]

فرمانِ ربانی ہے:

"وَاتَّبِعْ مَا يُوحَىٰ إِلَيْكَ وَاصْبِرْ حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ"

" اور تو چل اس پر جو حکم پہنچے تیری طرف اور صبر کر جب تک فیصلہ کرے اللہ ، اور وہ ہے سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا۔" [یونس:۱۰۹]

فرمانِ الٰہی ہے:

" وَأَنِ ٱحۡكُم بَيۡنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَهُمۡ وَٱحۡذَرۡهُمۡ أَن يَفۡتِنُوكَ عَنۢ بَعۡضِ مَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ إِلَيۡكَ "

" اور یہ فرمایا کہ حکم کر ان میں موافق اس کے جو کہ اتارا اللہ نے اور مت چل ان کی خوشی پر اور بچتا رہ ان سے کہ تجھ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے اتارا تجھ پر۔" [المائدہ:۴۹]

اور فرمایا:

" فَٱسۡتَمۡسِكۡ بِٱلَّذِيٓ أُوحِيَ إِلَيۡكَۖ إِنَّكَ عَلَىٰ صِرَٰطٖ مُّسۡتَقِيمٖ "

یعنی " سو تو مضبوط پکڑے رہ اسی کو جو تجھ کو حکم پہنچا تو ہے بے شک سیدھی راہ پر۔" [الزخرف:۴۳]

اور فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

" ٱتَّبِعُواْ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكُم مِّن رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِۦٓ أَوۡلِيَآءَۗ قَلِيلٗا مَّا تَذَكَّرُونَ "

یعنی " چلو تم اسی پر جو اترا تم پر تمہارے رب کی طرف سے اور نہ چلو اس کے سوا اور رفیقوں کے پیچھے، تم بہت کم دھیان کرتے ہو۔" [الاعراف:۳]

اور فرمایا:

" وَأَنَّ هَٰذَا صِرَٰطِي مُسۡتَقِيمٗا فَٱتَّبِعُوهُۖ وَلَا تَتَّبِعُواْ ٱلسُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَن سَبِيلِهِۦ "

" اور حکم کیا کہ یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس پر چلو اور مت چلو اور راستوں پر کہ وہ تم کو جدا کر دیں گے۔" [الانعام:۱۵۳]

اور فرمانِ نبوی ﷺ ہے:" جس نے ہمارے دین میں ایسی چیز ایجاد کی جو دین میں نہ ہو پھر تو وہ مردود ہے۔" اور آپ ﷺ کا فرمانِ عالی شان ہے:" تم میں سے جو زندہ رہا وہ عنقریب بہت اختلاف دیکھے گا پس تم پر لازم ہے کہ میری سنت کو لازم پکڑو اور میرے بعد میرے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کی پیروی کرو اور اس کو دانتوں سے مضبوطی سے پکڑو اور خبردار نئی ایجاد کردہ امور سے بچو کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔"

جمہوریت کہتی ہے کہ جمہوری نظام میں عوام ہی سب حاکم اور قانون ساز ہیں اور تمام مقدمات میں عوام ہی فیصلہ کا اختیار رکھتے ہیں پس اس نظام کی حقیقت یہ ہے کہ عوام کی بات کو نہ کوئی رد کر سکتا ہے اور نہ ہی کوئی مؤخر کر سکتا ہے۔ عوام ہی کا فیصلہ قطعی ہے اور عوام کی طرف ہی رجوع ہو گا۔ عوام کی رائے مقدس ہے اور عوام کی اختیار کی ہوئی پالیسی ہی لازم ہے عوام کی رائے محترم ہے، اور عوام کا فیصلہ ہی انصاف ہے، جس چیز کو عوام منظور کرے وہ قانون ہے اور جس کو عوام مسترد کرے وہ مسترد ہو گا۔ جس چیز کو عوام حلال قرار دے وہ حلال ہو گی اور جس کو عوام حرام قرار دے وہ حرام ہو گی اور جس قانون، نظام اور شریعت پر عوام راضی ہوں وہ ہی معتبر ہو گا اس کے علاوہ جو چیز ہے تو اس کی کوئی حیثیت، کوئی قیمت، کوئی وزن نہیں ہو گا اگرچہ وہ اللہ رب العٰلمین کی طرف سے نازل شدہ قوی دین اور شرعی حکم ہی کیوں نہ ہو۔

اور یہ شعار (یعنی عوام کے لئے عوام کی حکومت) یہ جمہوری نظام کا مغز، اس کی حقیقت، اس کا محور اور چکی کا وہ مدار ہے جس پر جمہوریت کا ہر فیصلہ اور حکم چلتا ہے۔

اور اس کے بغیر جمہوریت کا کوئی وجود نہیں ہو سکتا۔ یہ وہ جمہوری دین ہے جس کی تعظیم علی الاعلان روزِ روشن کی جاتی ہے۔ اور یہ وہ دین ہے جس کے مفکرین اور داعی ساری مخلوق پر اس کا رنگ جمانے کی کوشش کرتے ہیں اور ہم فی الواقع اس کا مشاہدہ و معاینہ کرتے رہتے ہیں۔

پس جمہوریت (اپنی مختلف تفسیروں اور تعبیروں کے ساتھ) کچھ بنیادوں پر قائم ہے جن کے کچھ اہم نکات کو ہم ذیل میں مختصراً بیان کریں گے۔

(ا) جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ عوام ہی اقتدار اور اختیار کا منبع ہے (عوام ہی حاکمِ اعلیٰ اور قانون ساز ہے)۔ دوسرے الفاظ میں یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جمہوریت میں مقتدر اعلیٰ انسان ہی ہوتا ہے اللہ پاک کی ذات نہیں۔یعنی قانون سازی اور حلال و حرام کرنے کی جہت سے عوام، انسان، اور مخلوق ہی پوجنے والی ذات، معبود ذات اور اطاعت کے لائق ذات بن جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی ذات نہیں۔ اور یہ عین کفر و شرک اور گمراہی ہے کیونکہ یہ صورت اصولِ دین اور توحید کی ضد ہے اور کمزور، جاہل انسان کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ، اللہ تعالیٰ کی خاص صفات میں شریک کرنے کو متضمن ہے اور خاص صفت اقتدارِ اعلیٰ اور قانون سازی ہے)جو صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے)۔ فرمانِ الٰہی ہے:

"إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ"

یعنی" حکم خدا ہی کا ہے۔ اس نے یہ حکم دیا ہے کہ بجز اس کے اور کسی کی عبادت مت کرو۔" [یوسف:۴۰]

اور فرمایا:

"وَلَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا"

" اور نہ اللہ تعالیٰ کسی کو اپنے حکم میں شریک کرتا ہے۔" [کہف:۲۶]

اور فرمایا:

"وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللهِ"

یعنی " اگر تم کسی چیز میں مختلف ہو جاؤ تو اس کا فیصلہ اللہ کی طرف لوٹاؤ۔" عوام، جمہور یا کثرت کی طرف نہیں۔

فرمانِ خداوندی ہے:

" أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ "

یعنی " یہ لوگ کیا پھر زمانۂ جاہلیت فیصلہ چاہتے ہیں، اور فیصلہ کرنے میں اللہ سے کون اچھا ہوگا یقین رکھنے والوں کے نزدیک۔" [المائدہ:۵۰]

اور فرمایا:

" أَفَغَيْرَ اللهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْ أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا "

" تو کیا اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کو تلاش کروں حالانکہ وہ ایسا ہے کہ اس نے ایک کتاب کامل تمہارے پاس بھیج دی ہے اس کی یہ حالت ہے کہ اس کے مضامین خوب صاف صاف بیان کئے گئے ہیں۔" [انعام:۱۱۴]

اور فرمانِ باری ہے:

" أَمْ لَهُمْ شُرَكَآءُ شَرَعُوا لَهُم مِّنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ "

" اور کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنھوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کر دیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔" [شوریٰ:۲۱]

پس جو لوگ اللہ تعالیٰ کے امر کے بغیر فیصلہ کرتے ہیں ان کو اللہ تعالیٰ نے "شرکاء" اور اللہ تعالیٰ کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔

فرمانِ خداوندی ہے:

’’وَأَنِ احْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنۢ بَعْضِ مَآ أَنزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ‘‘

’’اور ہم حکم دیتے ہیں کہ آپ ان کے باہمی معاملات میں بھیجی ہوئی کتاب کے موافق فیصلہ فرمایا کیجئے اور ان کی خواہشوں پر عمل درآمد نہ کیجئے اور ان سے یعنی ان کی اس بات سے احتیاط رکھیئے کہ وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے کسی بھی حکم سے بچلا دیں۔‘‘ [المائدہ:۴۹]

اور فرانِ خداوندی ہے:

’’إِتَّخَذُوٓا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَـٰنَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ‘‘

’’انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے۔‘‘ [توبۃ:۳۱]

حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے (اس وقت وہ نصرانی تھے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت کی تلاوت کرتے ہوئے سنا: (إتخذوا احبارھم........) یعنی ’’ انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء اور مشائخ کو رب بنا رکھا ہے۔‘‘ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا ہم تو علماء و احبار کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کیا ایسی بات نہ تھی کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو جب علماء و احبار حرام قرار دیتے تھے تو تم اس کو حرام سمجھتے تھے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو جب وہ حلال قرار دیتے تھے تو تم اس کو حلال سمجھ لیتے تھے۔ میں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا تھا۔ فرمایا یہی ان کی عبادت تھی۔ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے عبادت کو صرف دعا، رکوع وغیرہ معانی و مطالب میں محصور جانا اس لئے آپ علیہ السلام نے فرمایا یہی تو ان کی عبادت تھی۔

سید قطب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ” تحقیق تمام ارضی نظام نظاموں میں لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ ایک دوسرے کو خدا بنایا ہوا ہے۔“ اور فرماتے ہیں: ” الوہیت کی سب سے واضح خصوصیت بندوں کو تابعدار کرنا، ان کے لئے ضابطۂ حیات بنانا اور ان کے لئے ایک میزان قائم کرنا ہے۔“ پس اگر کوئی اپنی ذات کے لئے ان خصوصیات میں سے کسی خصوصیت کا مدعی ہو (اور اپنی ذات کے لئے کسی خصوصیت کا دعویٰ کرے) تو اس نے اپنی ذات کے لئے الوہیت کی سب سے واضح خصوصیت میں سے کسی خصوصیت کا دعویٰ کیا ہے اور لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے بجائے خود خدا بن بیٹھا ہے۔

مزید فرماتے ہیں: ” یقیناً کسی چیز کو حلال اور حرام کرنے کا حق صرف اکیلے اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہے اور کسی فردِ بشر کو یہ حق حاصل نہیں۔ نہ کسی فرد کو، نہ کسی جماعت کو، نہ کسی گروہ کو اور نہ ہی تمام انسانوں کو اِلاّ یہ کہ اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی کوئی دلیل یا حجت ہو اور اللہ تعالیٰ کی شریعت کے موافق ہو۔“ (انتہیٰ کلامہ)

(۲) جمہوریت کی بنیاد دین و عقیدہ کی آزادی پر ہے (اور مذہب و عقیدہ سے بیزاری پر ہے) پس جمہوری نظام میں ہر شخص کو آزادی حاصل ہے کہ وہ جو چاہے عقیدہ رکھے اور جو چاہے مذہب اختیار کرے، جب چاہے کسی دین و ملت کی طرف لوٹ جائے، اگرچہ اس کا یہ نکلنا اللہ تعالیٰ کے دین سے نکلنے اور الحاد اور غیر اللہ کی عبادت کی طرف ہی کیوں نہ ہو (وہ بالکل آزاد و خود مختار ہے جو چاہے کرے) اور یہ ایسی بات ہے کہ جس کے باطل اور فاسد ہونے اور بہت سی شرعی نصوص کے معارض و مخالف ہونے میں کوئی شک نہیں۔ پس اگر کوئی مسلمان اپنے دین سے کفر کی طرف لوٹ جائے اور مرتد ہو جائے تو اسلام میں اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو قتل کر دیا جائے۔

جیسا کہ بخاری شریف کی روایت کردہ حدیث میں ہے: " جو مسلمان اپنے دین کو بدل ڈالے (مرتد ہو جائے) اس کو قتل کر ڈالو۔" حدیث میں یہ نہیں کہ اس کو اپنے حال پر چھوڑ دو (بلکہ اس کو قتل کرنے کا حکم ہے) پس مرتد کو نہ امان دینا صحیح ہے، نہ اس کے لئے کوئی عہد رہے اور نہ ہی اس کے لئے کوئی قربت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں اس کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو توبہ کرے (اور اپنی دین کی طرف لوٹ آئے) یا اس کو قتل کر دیا جائے۔

(۳) جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ فیصلہ کرنا اور قانون سازی کرنا صرف عوام کا کام ہے، اپنے تمام خصوصیات نزاعات کا فیصلہ عوام ہی کرے گی۔ چنانچہ اگر حاکم و محکوم کے درمیان کسی بھی طرح کا نزاع اور اختلاف ہو جائے تو ہم دیکھتے ہیں کہ دونوں فریق ایک دوسرے کو عوامی قانون کی طرف رجوع کرنے اور اس پر فیصلہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں تاکہ فریقین میں واقع ہونے والے اختلاف اور نزاع کا جمہوری قانون کے ذریعے تصفیہ کیا جائے۔ اور یہ بات بھی توحید کے ان اصولوں کے منافی ہے اور مبائن ہے جس میں یہ طے ہے کہ تمام نزاعات و اختلافات اور جھگڑوں میں فیصلہ کرنے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے: " وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللهِ "

" اور جس بات میں جھگڑا کرتے ہو تم لوگ کوئی چیز اس کا فیصلہ ہے اللہ کے حوالے" اور جمہوریت کہتی ہے کہ اگر تمہارا کس چیز میں کوئی اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ عوام کرے گی عوام کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔

اور فرمانِ خداوندی ہے:

"يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَٰزَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِن كُنتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ"

" اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس میں رجوع کرو اللہ اور رسول کی طرف اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔" [نساء:۵۹]

علّامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب " اعلام الموقعین" میں فرماتے ہیں:" اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے تنازعات اور اختلافات کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹانے کو ایمان کے اثرات اور لوازمات میں سے قرار دیا ہے۔ پس اگر اللہ اور رسول کی طرف لوٹانا منتفی ہو جائے تو ایمان بھی منتفی ہو جاتا ہے۔" ضرورۃ انتفاء الملزوم لانتفاء الآخر" انتہی۔ اور یقیناً اپنے مقدمے کو عوام کے پاس یا اللہ کے ماسوا کسی اور طرف لے جانے کا ارادہ کرنا شریعت کی نظر میں طاغوت کے پاس لے جانے کی طرح ہے جس کا انکار کرنا واجب ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

"أَلَمْ تَرَ إِلَى ٱلَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ ءَامَنُواْ بِمَآ أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَآ أُنزِلَ مِن قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى الطَّٰغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوٓاْ أَن يَكْفُرُوا بِهِ"

" کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ ایمان لائے اس پر جو اترا تیری طرف اور جو اترا تجھ سے پہلے، چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں شیطان کی طرف اور حکم ہو چکا ہے ان کو کہ اس کو نہ مانیں۔" [النساء:٦٠]

پس اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے مقدمے کا فیصلہ کرنے کے لئے طاغوت اور طاغوتی قانون کی طرف جانے کا صرف ارادہ کرنے والے کے ایمان کو زعم اور صرف زبانی دعویٰ قرار دیا ہے جس کی کوئی حقیقت نہ ہو۔ اور اللہ کی شریعت کے علاوہ ہر قانون، یا

ہر وہ حکم جو اللہ کی طرف سے نازل کردہ نہ ہو وہ طاغوت کے حکم میں ہے جس کا انکار کرنا واجب ہے۔

(۴) جمہوریت کی بنیاد آزادیٔ رائے پر ہے۔ چاہے وہ اظہارِ رائے کیسی ہی کیوں نہ ہو، اگرچہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور دینی شعائر پر کیچڑ ہی کیوں نہ اچھالا جائے۔ جمہوریت میں کوئی بھی چیز ایسی مقدس نہیں ہوتی جس پر تبصرہ و تنقید جائز نہ ہو یا اس پر کیچڑ نہ اچھالا جائے۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

"لَّا يُحِبُّ ٱللَّهُ ٱلْجَهْرَ بِٱلسُّوٓءِ مِنَ ٱلْقَوْلِ إِلَّا مَن ظُلِمَ"

"اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں کسی کی بری بات کا ظاہر کرنا مگر جس پر ظلم ہوا ہو۔"

[النساء:۱۴۸]

اور فرمانِ خداوندی ہے:

"وَلَئِن سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ، لَا تَعْتَذِرُوا قَدْ كَفَرْتُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ إِن نَّعْفُ عَن طَائِفَةٍ مِّنكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً"

"اور اگر تم ان سے پوچھو تو وہ کہیں گے ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی تو کہہ کیا اللہ سے اور اس کے حکموں سے اور اس کے رسول سے تم ہنسی کرتے تھے، بہانے مت بناؤ تم تو کافر ہو گئے اظہار ایمان کے پیچھے، اگر ہم معاف کر دیں گے تم میں سے بعضوں کو تو البتہ عذاب بھی دیں گے بعضوں کو۔" [توبہ:٦٥،٦٦]

(۵) جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ دین کو حکومت، سیاست اور زندگی سے الگ کیا جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کے لئے صرف اتنی چیز ہے کہ کسی عبادت گاہ اور کسی کونے میں اس کی عبادت کی جائے، اس کے علاوہ ضروریاتِ زندگی، سیاست،

اقتصادیات، اجتماعی امور وغیرہ یہ عوامی خصوصیات ہیں (اس میں عوام جیسے چاہے وہ کریں، دین کا اس میں کوئی گذر نہیں) فرمانِ الٰہی ہے:

"فَقَالُوا هَٰذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ وَهَٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ"

"پھر کہتے ہیں یہ حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے اپنے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے سو جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے وہ تو نہیں پہنچتا اللہ کی طرف اور جو اللہ کا ہے وہ پہنچ جاتا ہے ان کے شریکوں کی طرف کیا ہی بُرا انصاف کرتے ہیں۔" [انعام:۱۳۶]

ان کے اس قول کا فساد اور بطلان، اور اس کے قائل کا کفر بالکل واضح ہے، کیونکہ یہ انکار کو متضمن ہے۔ جیسا کہ بالکل معلوم بات ہے۔پس یہ دین کے ان نصوص کا صریح انکار ہے جس میں واضح طور پر بتلایا گیا ہے کہ اسلام حکومت و سیاست، فیصلہ کرنے اور قانون سازی وغیرہ ہر جگہ ملحوظ رکھا جائے گا۔ اور اسلام صرف یا چند عمارات میں محصور و محدود نہیں۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے ساتھ صریح کفر ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

"أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَن يَفْعَلُ ذَٰلِكَ مِنكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَىٰ أَشَدِّ الْعَذَابِ"

"کیا مانتے ہو بعض کتاب اور نہیں مانتے بعض کو، سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں سخت سے سخت عذاب میں۔" [البقرۃ:۸۵]

اور فرمایا:

" وَيَقُولُونَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَيُرِيدُونَ أَن يَتَّخِذُواْ بَيۡنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا ، أُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡكَٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعۡتَدۡنَا لِلۡكَٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا "

" اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعضوں کو اور نہیں مانتے بعضوں کو، اور چاہتے ہیں کہ نکالیں اس کے بیچ میں ایک راہ، ایسے لوگ وہی ہیں اصل کافر، اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے ذلت کا عذاب۔" [النساء:۱۵۰]

(۶) جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ تمام گروہ اور جماعتیں وغیرہ اپنی تشکیل میں آزاد ہیں، یہ جماعتیں جو عقیدہ، خیالات اور اخلاقیات جو چاہیں رکھیں (ان کو مکمل آزادی حاصل ہے) اور یہ بنیاد شرعاً باطل ہے اور اس کی کئی وجوہات ہیں:

(الف) یہ اپنی رضامندی اور خوشی سے، بغیر کسی زبردستی کے ان گروہوں اور جماعتوں کے کفریہ اور شرکیہ رجحانات کے شرعی ہونے کے اعتراف کو متضمن ہے۔ اور ان جماعتوں اور پارٹیوں کا اپنے باطل، فساد اور کفر کا لوگوں اور شہروں میں پھیلانے کو جائز سمجھنے کا اقرار ہے اور یہ بات ان بہت سے شرعی نصوص کے مخالف ومباہن ہے جو یہ ثابت کرتی ہیں کہ کفر اور بُرائی سے انکار، اور ان کو بدلنے کا معاملہ کیا جائے، ان کے شرعی ہونے کا اقرار اور اعتراف نہ کیا جائے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

" وَقَٰتِلُوهُمۡ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتۡنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ لِلَّهِ "

" اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ رہے باقی فساد اور حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا۔"

[البقرۃ:۱۹۳]

علّامہ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: " ہر وہ جماعت جو اسلام کے ظاہری متواتر ضوابط و قوانین کی پابندی سے احتراز کرے ان سے جہاد کرنا واجب ہے تاکہ دین تمام کا تمام صرف ایک اللہ کے لئے ہو جائے۔" (انتہی کلامہ)

(ب) اپنی رضامندی اور خوشی سے ان کافر جماعتوں کو شرعی سمجھنے کا اعتراف کرنا یہ رضا بالکفر (یعنی کفر پر راضی ہونا) کو متضمن ہے اگرچہ اپنے منہ سے اس کا اظہار نہ کرے۔ اور کفر پر راضی ہونا بھی کفر ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

"وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذًا مِّثْلُهُمْ إِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِينَ وَالْكٰفِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا"

" اور حکم اتار چکا تم پر قرآن میں کہ جب سنو اللہ کی آیتوں پر انکار ہوتے اور ہنسی ہوتے تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں نہیں تو تم بھی انہیں جیسے ہو گئے۔ اللہ اکٹھا کرے گا منافقوں کو اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ۔" [النساء:۱۴۰]

جمہوریت کی بنیاد اس بات پر ہے کہ اکثریت کے موقف کا اعتبار کیا جائے اور جس بات پر اکثریت جمع ہو جائیں اس کو اختیار کیا جائے، اگرچہ اکثریت باطل، گمراہی، صریح کفر پر ہی کیوں نہ جمع ہوں۔ (پھر بھی اسی کو اختیار کیا جائے) پس جمہوریت کی نظر میں حق بات (جس پر کسی طرح کی گرفت کرنا، یا تنقید و تبصرہ جائز ہی نہیں) وہی ہے جس کو اکثریت طے کرے اور جس پر اکثریت جمع ہوں اس کے علاوہ نہیں۔

اور یہ بنیاد ہی باطل اور قطعی طور پر غلط ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اسلام کی نظر میں حق وہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت کے موافق ہو۔ چاہے اس کے ماننے والے کم ہو یا زیادہ۔ اور جو بات، جو قانون کتاب اللہ و سنت کے مخالف ہو وہ باطل ہے۔ اگرچہ روئے زمین کے تمام انسان ہی اس کے حق میں کیوں نہ ہو۔ فرمانِ خداوندی ہے:

”وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ“

”اور اگر تو کہنا مانے گا اکثر ان لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو تجھ کو بہکا دیں گے اللہ کی راہ سے، وہ سب تو چلتے ہیں اپنے خیال پر اور وہ سب اٹکل ہی دوڑاتے ہیں۔“ [انعام:۱۱۶]

پس یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ روئے زمین پر اکثریت کی اتباع و پیروی کرنا یہ اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اکثریت تو گمراہی پر جمع ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے اِلا یہ کہ اس کے ساتھ دوسرے خداؤں کو شریک گردانتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے عمرو بن میمون رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ”لوگوں کی اکثریت نے ہی تو جماعت کو چھوڑا ہے اور جماعت (اہل السنۃ) تو وہی ہے جو حق کے موافق ہو اگرچہ اکیلے ایک شخص ہی (اس کی پیروی و اتباع کرنے والے) ہو۔“

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”تحقیق گذرے ہوئے لوگوں میں اہل سنت بہت قلیل تعداد میں تھے اور باقی رہ جانے والے لوگوں میں بھی وہ قلیل تعداد میں ہیں۔ اور وہ (اہلسنت) ایسے لوگ ہیں جو عیش پرست لوگوں کے ساتھ ان کے عیش و عشرت میں شریک نہ ہوں، اور نہ ہی بدعتی لوگوں کے ساتھ ان کی بدعات میں ساتھ دیں۔ اور انہوں نے سنتوں پر عمل کرنے پر صبر کیا یہاں تک کہ وہ اپنے رب سے جا ملے۔ پس تم بھی ان جیسے بن جاؤ۔

جس چیز پر نظریں اٹھتی ہیں اور جس چیز پر تعجب بڑھتا ہے وہ یہ ہے کہ جمہوریت کی آپس کی لڑائیوں نے اپنے بُرے اور نقصان دہ نتائج سے مسلمانوں کو اس نتیجے پر پہنچایا ہے کہ ان میں ضعف، اختلاف، تفرقہ، پھوٹ اور فرقہ بندی کو جنم دیا۔ اس

طرح کہ ایک جماعت سے کئی جماعتیں اور ایک گروہ سے کئی گروہ میں بٹ گئے اور ایک تحریک سے کئی تحریکیں بن گئیں جو ساری آپس میں ایک دوسرے سے نفرت و بغض رکھتی ہے۔

دنیا میں اب بھی بہت سے اقوام جمہوریت کو خوشگوار محسوس کرتی ہیں اور اس کا دفاع کرتی ہیں۔ گویا کہ وہ جمہوریت کے مالک اور اس کے بنانے والے ہیں۔ ان کے دلوں میں جمہوریت کی محبت اس طرح پلائی گئی ہے جیسا اس سے پہلے بنو اسرائیل کے قلوب میں بچھڑے کی محبت پلائی گئی تھی۔ پس ان کو اس کی سماعت نے کوئی فائدہ نہ پہنچایا کہ ان کو آیات قرآنیہ اور نصوص شرعیہ اس سے باز رکھتی، اور نہ ہی ان کی عقلوں اور بصارتوں نے ان کو فائدہ بہم پہنچایا کہ وہ جمہوریت کے نتیجے میں واقع ہونے والی تلخ حقیقت کا ادراک کر سکیں۔ اور بعض لوگ یہ عذر لنگ پیش کرتے ہیں کہ وہ ''مصلحت'' اور جمہوریت کی راہ سے اقتدار اعلیٰ حاصل کرتے ہیں اور اس کو انہوں نے شرعی اور دینی مقاصد کے لئے راستہ بنایا ہوا ہے۔ لیکن انہوں نے اللہ کے دین میں ان وسائل کی مشرعیت اور ان کے احکام کی طرف توجہ نہیں دی۔ اور ''مصلحت'' اور ''مقصد'' کے نام پر مضبوط عقیدے اور صحیح نصاب سے سودا بازی اور تبادلہ کے سوراخ میں داخل ہو گئے ہیں۔

بحوالہ: [معیارِ تکفیر ص:۶۳ سے ص:۷۴ تک، اشاعت دوم]

جمہوریت اور اسلامی طرزِ انتخاب حضرت مولٰنا مفتی عبد السلام چاٹگامی حفظہ اللہ (سابق رئیس دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ علّامہ بنوری ٹاؤن کراچی) کی نظر میں

اسلامی انتخاب کے بنیادی اصولوں کی پابندی کرنے کے فوائد

دینِ اسلام، اللہ تعالیٰ کا سچا اور پکا دین ہے، اس کے ہر حکم میں سچائی اور استحکام ہے، دیکھیئے دین اسلام نے انتخابی ڈھانچہ میں طریق انتخاب میں شورائی نظام رکھا ہے۔ اور شوریٰ بھی اہلِ علم و عمل اور اہلِ تقویٰ کی رکھی ہے اور ''کامل العقل والدّین'' کو شرط قرار دیا جس کے فوائد بے شمار ہیں۔

ا۔ انتخاب میں کسی قسم کی بد عنوانی اور بے ایمانی خیانت، رشوت کا احتمال نہیں رہتا، وہاں ایمان و ایمانداری، امانت و امانتداری کی شرط ہے، اس کے بر عکس مغربی جمہوریت کے انتخابی ڈھانچہ میں چونکہ انتخاب کنندہ اور امیدوار کے لئے ان شرائط کی ضرورت نہیں ہے لہٰذا اس میں انتخابات کے اندر بے شمار بد عنوانی، بے ایمانی، خیانت، رشوت خوری کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔

۲۔ اسلامی طرزِ انتخاب میں اچھے سے اچھے ایماندار، امانتدار، ذی اخلاق، مملکت کے خیر خواہ منتخب ہونے کا یقین غالب ہوتا ہے۔ جبکہ مغربی طرز اور مغربی جمہوریت کے انتخاب میں اچھے کے بدلے بُرے سے بُرے لوگ منتخب ہونے کا یقین غالب ہوتا ہے کیونکہ بے ایمان، غیر دیانتدار، خائن، بد کردار، بد اخلاق لوگ بھی انتخاب اور ووٹنگ میں حصہ لیں گے اور اکثریت انہیں لوگوں کی ہوتی ہے تو کامیابی بھی ایسے ہی لوگوں کی ہوگی۔

۳۔ اسلامی طرزِ انتخاب میں کسی قسم کا اختلاف و انتشار نہ امیدواروں میں ہونے کا امکان رہتا ہے نہ ووٹروں میں۔ جبکہ مغربی جمہوریت میں امیدواروں کے درمیان

بڑے بڑے اختلافات و انتشار پیدا ہوتے ہیں، ایک دوسرے کے عیوب و نقائص کو بیان کرتے ہیں اور بہتان طرازی سے باز نہیں آتے، نتیجۃً فریقین اور ان کے ووٹروں میں بڑے اختلاف ہوتے ہیں، مار پٹائی، قتل و غارتگری تک ہوتی ہے لیکن اسلامی انتخاب ان تمام نقائص سے پاک اور شفاف ہوتا ہے۔

۴۔ اسلامی طرزِ انتخاب میں چونکہ اہلیت اور صلاحیت کی بنیاد پر چناؤ اور انتخاب ہوتا ہے، لہٰذا اس میں طبقاتی، گروپ بندی، پارٹی بازی کی جو خرابیاں ہیں وہ نہیں ہوں گی۔ نمائندے تمام افراد کے یکساں ہوتے ہیں کسی سے نہ اختلاف نہ جھگڑا نہ بغض و عداوت نہ کسی قسم کی نفرت اس میں ہوتی ہے۔ جبکہ مغربی جمہوریت میں یہ تمام چیزیں ہوتی ہیں۔

۵۔ اسلامی طرزِ انتخاب میں ہر رائے دہندہ چونکہ امانتداری اور شہادت کے اصول پر رائے دیتا ہے، ووٹ دیتا ہے لہٰذا انہیں کسی قسم کی طمع و لالچ کا اندیشہ نہیں ہوتا مگر اس کے برخلاف مغربی جمہوریت میں رائے دہندہ کے لئے چونکہ امانتداری، دینداری، علم و فہم کسی صفات کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے تو اکثریت ووٹروں میں مالی منفعت، مادی منفعت ہے مالی فوائد ہیں۔

۶۔ اسلامی انتخاب میں نمائندے کے لئے اہلیت ایمان و ایماندار، امانت وامانتدار، تقویٰ و خوف خدا کی شرط ہوتی ہے۔ لہٰذا نہ وہ خود کسی قسم کا زرِ کثیر خرچ کرکے منتخب ہوتا ہے، نہ رائے دہندہ کو کسی قسم کی رقم خرچ کرنی پڑتی ہے لہٰذا کسی کو یہ طمع و لالچ نہیں ہوتی کہ منتخب ہونے کے بعد اپنے پیسے وصول کریں گے، اتنے پیسے کمائیں گے، مالدار بنیں گے۔

جبکہ مغربی جمہوریت میں یہ سب نقائص ہوتے ہیں، امیدوار کے اندر دینی شعور اخلاق و کردار تو نہیں ہوتا اس لئے وہ زرِ کثیر خرچ کر کے انتخاب لڑتا ہے اور اندر سے اس بات کا قطعی فیصلہ کر لیتا ہے کہ کامیابی کے بعد اپنے پیسے بھی وصول کریں گے اور اس پر جو کچھ کمانا ہے جائیداد بنانی ہے، بنائیں گے جس کے نتیجے میں انتخاب کا مقصد بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

۷۔ اسلامی طرزِ انتخاب میں نمائندہ کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ منتخب نمائندہ منتخب ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اور رسول خدا ﷺ کے احکام کے مطابق نظام چلانے کی کوشش کریں گے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے قیام کی ذمہ داری پوری کریں گے۔ عدل و انصاف قائم کریں گے، حقوق والے کے حقوق دلائیں گے، ظالم کو ظلم سے روکیں گے، اس لئے وہ انتخاب کے بعد کسی دنیاوی و مادی منفعت کے لحاظ کئے بغیر انہیں چیزوں کی فکر کرتے ہیں۔ جبکہ مغربی طرزِ انتخاب میں امیدوار کا مقصد محض وقتی اعزاز و شہرت اور مالی و مادی منفعت ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ اللہ کے احکام، رسول ﷺ کی شریعت کی پرواہ کئے بغیر اپنا مقصد اور ہدف حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔

۸۔ اسلامی طرزِ انتخاب کی نمائندگی کسی فرد یا افراد پر ظلم و زیادتی روا نہیں رکھتا، اس کو بدترین ظلم اور حکمِ شرعی کے خلاف جانتا ہے۔

جبکہ مغربی طرزِ انتخاب کا نمائندہ اپنے مقاصد و اہداف اور مادی چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے دوسروں پر ظلم و زیادتی کرتا ہے، رکاوٹ پیش آئے تو ایسے افراد مخالف کی بے عزتی و بے آبروئی کرتے ہیں، کام نہ بنے تو جان سے بھی ختم کر دیتے ہیں کیونکہ اس میں دین تو ہے نہیں، اس بناء پر نہ دینداری ہے، نہ خوفِ خدا، تو ظلم و زیادتی کے لئے مانع کیا چیز بن سکتی ہے۔

۹۔ اسلامی انتخاب کے ذریعہ جو امیر مملکت منتخب ہوتا ہے وہ ''ظلُّ اللہ فی الارض'' ہوتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق الناس کو ادا کرنے والا ہوتا ہے اس لئے عامۃ الناس کو اس سے عدل و انصاف کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں ہر فرد کو سکون کا سانس لینے کی توقع ہوتی ہے۔

مگر مغربی جمہوریت کے نمائندے شیطان کے آلہ کار ہوتے ہیں، حقوق اللہ کو ضائع کرتے ہیں، اس کا وبال تو الگ ہے مگر حقوق الناس کو بھی پامال کرتے ہیں۔ جس بناء پر پوری انسانیت پر وہ لوگ عذاب بن جاتے ہیں، ہر فرد کو ان سے جان چھڑانے کی فکر ہوتی ہے، آئے دن ہمارے اکثر سربراہانِ مملکت اور حکمران کا حال مطالعہ کیا جائے تو سارے حقائق سامنے آجائیں گے، یہ ہی مغربی جمہوریت کے برکات و ثمرات ہیں۔

۱۰۔ یہ تو عام نقائص اور خرابیاں تھیں، مگر سب سے بڑی خرابی اس مغربی جمہوریت میں یہ ہوتی ہے کہ اس میں چونکہ عوام الناس کی کثرتِ رائے سے امیدوار امیر منتخب ہوتا ہے اور عوام کی اکثریت ان پڑھ، بے علم، بے دین اور بے ایمان لوگوں کی ہوتی ہے لہٰذا ان کے انتخاب اور ووٹروں سے جو فرد یا افراد منتخب ہوتے ہیں ان میں دین نہیں ہوتا، ایمان اور ایمان داری نہیں ہوتی، اس لئے وہ احکامِ شرع اور احکامِ خداوندی کی مخالفت کرتے ہیں۔ اس کو ضائع کرتے ہیں، بعض تو ان کا انکار تک کر دیتے ہیں۔ چنانچہ

۱) ہمارے یہاں بعض مغرب زدہ مغرب سے متاثر تعلیم یافتہ مرد اور بعض خواتین، اسلامی احکام، حدودِ زنا کا انکار کرتے ہیں، قانونِ شہادت کا انکار کرتے ہیں۔

۲) انہیں خلافِ تہذیب سمجھتے ہیں۔

۳) قانونِ قصاص و دیت پر اعتراض کرتے ہیں، بعض انکار کرتے ہیں۔
۴) قانونِ وراثت کے قطعی احکام مثلاً عورت کو مرد کے نصف وراثت ملتی ہے، کا انکار کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔
۵) قانونِ شہادت میں عورتوں کی شہادت کو مرد کے برابر قرار دیتے ہیں جو کہ قرآنی حکم کا انکار ہے۔ جبکہ قرآنی وحدیث کی رو سے حدود میں ان کی شہادت معتبر نہیں۔ اور مقدمہ میں ان کی شہادت مرد کے مقابلہ میں نصف ہے جس وجہ سے ایک مرد کے ساتھ دو عورتوں کی شہادت کی ضرورت ہے، لیکن یہ لوگ نہیں مانتے۔
۶) بعض غیر مسلم خواتین کی صحبت سے متاثرہ خواتین پردہ و حجاب کی آیات کو نہیں مانتی، یہ سب کفریات ہیں جن کا وہ ارتکاب کرتی ہیں۔
۷) بعض لوگ ان میں قرآن وحدیث کے احکام کا مذاق اڑاتے ہیں، تمسخر کرتے ہیں جیسا کہ پچھلی امتوں کے کفار مذاق اڑاتے تھے، یہ خرابیاں اس مغربی انتخاب کے ذریعہ آنے والے نمائندوں سے پیدا ہوتی ہیں، اگر اسلامی طرزِ انتخاب کے ذریعہ علوم شرعیہ کے یا پھر پابندِ شرع، تقویٰ وطہارت والے نمائندے آئیں، تو اسلامی مملکت میں ان کفریات کے بکنے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا تھا۔
۸) اسلامی انتخابات میں ایمانداروں کے ایمان و دین ضائع ہونے کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا لیکن مغربی طرزِ انتخاب کے دوران دیکھنے میں آیا ہے بے شمار ایمانداروں کے ایمان میں اور دین میں تزلزل آجاتا ہے۔ کیونکہ جب امیدوار دیکھتا ہے کہ اگر دین و شرع کی حمایت کرتا ہے تو اکثریت جو کہ جاہلوں کی بے دین اور بے ایمانوں کی ہوتی ہے وہ ووٹ نہیں دیں گے تو وہ دین کے خلاف کام کرنے اور کفر کی حمایت کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں، حالانکہ اس کا دل نہیں چاہتا، کہ کفر اور کفریات کی حمایت کرے، مگر انتخابی

پروگرام کے نقصانات کو دیکھ کر دین اور دینی احکام کی حمایت کرنے کے بجائے کفر اور کفریات کی حمایت کر دیتے ہیں، دیکھئے یہ کتنا بڑا دینی نقصان ہے۔

۹) اسلامی طرزِ انتخاب میں جلسے جلوسوں کی کوئی ضرورت نہیں، لہٰذا جلسے اور جلوسوں کے نقصانات کا خطرہ نہیں جبکہ مغربی جمہوریت کے انتخابات میں جلسے اور جلوس بھی نکالے جاتے ہیں۔ پھر اس میں ہنگامے، توڑ پھوڑ بھی لوگ کرتے ہیں۔ اس میں ہر فریق دوسرے فریق کے خلاف نعرے لگاتے ہیں، اشتعال پیدا کرکے توڑ پھوڑ، ہنگامے کراتے ہیں۔ جانی ومالی نقصان تک ہو جاتا ہے۔

۱۰) اسلامی انتخاب میں عورتوں کی کوئی رائے اور ووٹ نہیں ہوتا کیونکہ یہ ''ناقصات العقل والدین'' ہوتی ہیں (کما فی البخاری) بلکہ اسلامی انتخاب تو کامل الرائے والعقل، ماہر علومِ شرع اور اصحابِ تقویٰ جو کہ اہلِ حل وعقد ہوتے ہیں ان کے شوریٰ سے امیر یا وزیر منتخب ہوتا ہے، لہٰذا اس میں کسی قسم کی خرابی پیش نہیں آتی۔

جبکہ مغربی جمہوریت میں عورتوں کو نمائندگی کرنے اور ووٹ دینے کا اختیار ہوتا ہے۔ گنتی میں مردوں اور عورتوں کے ووٹوں سے جو اکثریت سے جیتے گا اسے کامیاب قرار دیا جاتا ہے۔ جبکہ قرآن وحدیث کی رو سے عورتیں '' ناقصات العقل والدین '' ہوتی ہیں۔ دوم یہ کہ ساری دھوکہ بازی عورتوں کے ذریعہ کرائی جاتی ہے، جعلی ووٹ عورتوں کے ذریعہ ڈلوائے جاتے ہیں، پردہ دار عورتوں کی بے پردگی کی جاتی ہے۔

پھر عورتیں عموماً اپنے سرپرستوں کے تابع ہوتی ہیں خود کوئی رائے رکھتی نہیں، شوہر کے کہنے پر یا پھر اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے کہنے پر ووٹ دیتی ہیں اور اس میں غلط بیان اور جھوٹ، رشوت بے شمار چلتی ہے۔ دھوکہ وعیاری سے وہ جدھر چاہتے ہیں

عورتوں کو لے جاتے ہیں۔ یہ سب خرابیاں عورتوں کو رائے دہی کا حقدار قرار دینے کی وجہ سے ہے۔

۱۱)اسلامی انتخاب بالکل سادہ وشفاف ہوتا ہے بغیر کسی ہنگامے، مالی وجانی نقصان کے انجام پذیر ہوتا ہے۔

مگر مغربی جمہوریت میں آج کل تو نئی خرابی یہ نظر آنے لگی ہے کہ بعض دفعہ تو ووٹ کے سینٹر میں جانے کی نوبت ہی نہیں آتی پہلے سے راتوں رات بااختیار نمائندہ یاطاقتور نمائندہ اپنے حق میں ووٹ ڈلوالیتے ہیں۔ بلیٹ بکس بھر دیتے ہیں، صبح کو ووٹ کے سینٹر میں مسلح افراد کے ذریعہ خوف اور دہشت پھیلا کر کسی کو جانے ہی نہیں دیتے، اگر جائے تو اس کو جانی نقصان کا خطرہ غالب ہوتا ہے۔ یہی تو ہوتے ہیں مغربی جمہوریت کے نتائج واثرات جو ہم اور آپ دیکھ رہے ہیں۔

۱۲)اسلامی انتخاب میں چونکہ سارے مسائل کا دارومدار ایمان اور ایمانداری، دین اور دیانتداری پر ہوتا ہے، لہٰذا اس میں رشوت ستانی اور امیر کی طرف سے کسی ممبرِ شوریٰ کو خریدنے کا اندیشہ نہیں ہوتا بلکہ مغربی جمہوریت میں رشوت اور خرید و فروخت خوب چلتی ہے۔ ظاہر ہے جس کے پاس مال ہو گا وہ امیر ہے وہی وزیر ہے، پھر بعد میں حکومت اور عوام کو خوب لوٹے گا۔ تو بالآخر ایسے نمائندوں کے ذریعہ سے ملک کے عوام کو کیا فائدہ پہنچے گا۔

بلکہ ان سے ملک کو اور عوام کو شدید نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے۔ موجودہ حالات کو اگر ہم دیکھیں تو سب باتیں واضح طور سے سمجھ میں آسکتی ہیں اس واسطے ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے ایمان و دین کو بچانے اور خود کو نقصان سے بچانے کے لئے دین کی طرف رجوع کریں شریعت کی طرف لوٹ آئیں۔ واللہ الموفّق وھو ولیُّ التّوفیق۔

بحوالہ: [جواہر الفتاوٰی ص:۳٦٨، ج:۳ تا ص:۳۷۳، ط: اسلامی کتب خانہ]

جمہوریت حضرت مولانا فضل محمد یوسف زئی حفظہ اللہ (استاذ الحدیث جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) کی نظر میں:

حضرت نے تو اسلامی خلافت کے نام پر ایک مستقل کتاب لکھ دی ہے۔ چنانچہ وہ شروع میں اسلامی خلافت کی تعریف، اس کی ضرورت پر قرآن و حدیث اور اجماع امت سے مفصل دلائل ذکر کرتے ہیں اور پھر کتاب کے آخر میں ایک معتد بہ حصہ جمہوریت کی حقیقت بیان کر کے اس کے تیرہ بڑے نقائص (خرابیاں) ذکر کرتے ہیں۔ چونکہ جمہوریت کے حوالہ سے ان کا مضمون نہایت واضح اور پُر مغز ہے اس لئے ان کے اس مضمون کو شروع سے آخر تک تفصیل کے ساتھ یہاں نقل کیا جاتا ہے تاکہ خواص کے علاوہ عام لوگ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔

چنانچہ حضرت مولانا فضل محمد صاحب حفظہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

محترم قارئین!

اسلامی خلافت اور اس کی ضرورت کے متعلق تمام مباحث آپ کے سامنے آگئے جن کے اکٹھے کرنے میں مجھے بڑی محنت کرنی پڑی۔ میں اپنے کرم فرماؤں سے توقع رکھتا ہوں کہ وہ اس کتاب کی قدر کریں گے۔ تاہم جب یہ مباحث پایہ تکمیل تک پہنچ گئے تو میں نے یہ بات محسوس کی کہ یہ ناانصافی اور کوتاہی ہوگی کہ میں خلیفہ اور خلافت کے زریں، آفاقی، اخلاقی اور شرعی قواعد کے تقابل میں انسانوں کے بنائے ہوئے ان قواعد کا تذکرہ نہ کروں جن کو اہل مغرب بڑی ڈھٹائی کے ساتھ پوری دنیا کے لئے ہر مشکل کا مداوا اور ہر مصیبت کے لئے تریاق سمجھتے ہیں اور جن کے ارادے یہ ہیں کہ اگر کسی ملک نے ان کے ان خود ساختہ اصولوں کو نہیں اپنایا تو ان کو نہ حکومت کرنے کا حق ہے اور نہ زندہ رہنے کا حق ہے۔ ان کے ان غیر طبعی قواعد پر مبنی حکومت کو یہ لوگ

جمہوریت کہتے ہیں اور اس کے اصول کو جمہوری اصول کہتے ہیں تو آیئے اور دیکھیئے کہ اسلام نے تشکیل حکومت کے لئے جو شفاف اور کامیاب اصول وضع کر کے مسلمانوں کو دیئے ہیں ان کے مقابلے میں اہل مغرب اور یورپ نے انسانوں کو جمہوریت کے ڈرامے کی شکل میں کیا دیا ہے، اگرچہ یہ بحث طویل ہو جائے گی مگر ان شاء اللہ فائدے سے خالی نہیں ہو گی۔

جمہوریت کی حقیقت

لفظ جمہور کے ساتھ، یت لگا کر جمہوریت بنا دی گئی۔ جمہور کی بات تو پرانی تھی، اب جو "یت" لگ گئی اس کی حقیقت یہ ہے کہ جمہور یعنی عوام "یت" یعنی ان کی حکومت، ذرا جھانک کر دیکھ لیجئے۔

(۱) جمہوریت مؤنث ہے۔ جمہوریت وہ نظام حکومت ہے جس میں عوام کے چنے ہوئے نمائندوں کی جماعت حکومت چلاتی ہے اور عوام کے سامنے جواب دہ ہوتی ہے۔ ذرا واضح الفاظ میں یہ کہیئے، کچھ مدت کے لئے عوام پر عوام کی حکومت، جمہوریت کہلاتی ہے۔

(۲) یونان کے چند دانشور یہودیوں نے اس نسخہ لاجواب کو دریافت کر کے بطور تحفہ پیش کیا ہے۔ نظری سیاسیات نامی کتاب میں پروفیسر شاہ فرید الحق صاحب نے اس پر تفصیلی بحث کی ہے۔ چند جملے ملاحظہ ہوں۔

(۳) آج دنیا میں اس لفظ کا ایسا رواج پڑ گیا ہے کہ ہر طبقے، ہر خیال کے لوگ، بلکہ ہر ریاست اور ہر معاشرہ اسے استعمال کرنے لگا ہے اور اس پر فخر محسوس کرتا ہے۔ ہر مسئلہ کو حل کرنے میں عوام کی یہی آواز ہوتی ہے کہ جمہوری طریقہ استعمال کرنا چاہیئے۔ حکومت جمہوری ہو، معاشرہ جمہوری ہو، حرفت وصنعت کا نظام جمہوری طرز پر

قائم ہو۔ حتیٰ کہ مذہبی معاملات بھی جمہوری طور پر طے کئے جائیں۔ سرمایہ دار ممالک امریکہ ، انگلینڈ ، فرانس ، جاپان ، جرمنی ، کینیڈا ، تمام کے تمام جمہوریت کا نعرہ بلند کر رہے ہیں ۔ اشتراکی ممالک چین ، روس ، یوگوسلاویہ وغیرہ بھی جمہوریت اور حقیقی جمہوریت کے نعرے بلند کر رہے ہیں ۔ آزاد ممالک اور غلام ممالک سبھی جمہوریت کے نشے میں چور ہیں۔

(۴) یہ لفظ اور اس کا استعمال جدید نہیں ہے بلکہ ارسطو اور افلاطون بلکہ سقراط کے زمانہ میں بھی یہ لفظ مروج تھا۔ یونان کی شہری ریاستوں میں جمہوریت تھی ۔ رومن شہنشاہیت میں بھی اس کا استعمال ہوا ۔ کلیسا اور ریاست کی جنگ میں بھی جمہوریت کا نعرہ بلند ہوا۔ امریکہ اور فرانس کے انقلابات میں بھی اسی پر زور دیا گیا۔ مختلف سیاسی مفکرین نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے اور اپنے اپنے نقطہ نظر سے اس کی تعریف کی ہے ۔ جمہوریت کی ابتداء اور معانی پر اگر غور کیا جائے تو یہی پتہ چلے گا کہ صحیح شکل میں اس کا کہیں وجود نہیں ہے بلکہ جدید ترقی یافتہ دور میں اس پر عمل کرنا ناممکن ہے۔ اس لئے جمہوریت بجائے ایک نظریہ کے ایک مجرد خیال یا تصور ہو کر رہ گئی ہے۔

[نظری سیاسیات: ص۴۴۵]

ارسطو اور افلاطون نے طرز حکومت کی قسمیں ذکر کی ہیں جس کا خلاصہ افلاطون کی کتاب جمہوریہ سے یہ نکلتا ہے:

(۱) ایک شخص کی حکومت بادشاہت کہلائے گی۔ اگر یہ شخص عالم یا فلاسفر ہے تو یہ حکومت سب سے اچھی ہے۔

(۲) چند اشخاص کی حکومت اشرافیہ کہلاتی ہے جس میں کچھ نہ کچھ خوبی ہے۔

(۳) اکثر اشخاص کی جمہوریت کو معتدل جمہوریت کہیں گے، جو سب سے بدتر اور بے کار حکومت ہوتی ہے۔ ارسطو جمہوریت کو اقتدار کی جنگ، انبوہ گردی اور جاہلوں کی حکومت تصور کرتا ہے، جس میں افراتفری کا دور دورہ ہوتا ہے۔

[نظری سیاسیات: ص۴۲۸]

(۴) ارسطو نے اپنے استاد افلاطون کے طرز ہائے حکومت کی وضاحت اس طرح کی ہے:

(۱) بادشاہت کی بگڑی ہوئی صورت استبدادیت کہلاتی ہے۔

(۲) اشرافیہ کی بگڑی ہوئی صورت چند سری کہلاتی ہے۔

(۳) دولت عامہ جو اکثریت کی حکومت ہوتی ہے۔ اس کی بگڑی ہوئی صورت جمہوریت کہلاتی ہے۔

جمہوریت کے نقائص

نقص اول "مدت حکومت"

یہود و نصاریٰ کی برآمد کردہ جمہوری حکومت کی عمر بہت تھوڑی ہوتی ہے۔ جمہوریت کے شیر خوار بچے کو شیر مادر سے پورا لطف اٹھانے سے پہلے ہی نامہربان ماں ایک دم سرخ مرچوں کی پھانکیں اس کے منہ میں ٹھونس دیتی ہے۔ جس سے وہ بچہ چیخ چلا کر آنسوؤں اور رینٹھ کی بارش کرکے ایڑیاں رگڑتے رگڑتے گرم نرم گود کو چھوڑ کر گوشہ گمنامی میں جا کر عمر کی گھڑیاں گننے لگتا ہے۔

(۱) جمہوریت کے بچے جمہوری کی پوری دنیا میں آخری عمر ۵ سال ہوتی ہے۔

مغربی دنیا میں چونکہ آب وہوا بچہ جمورا کے موافق ہوتی ہے تو اکثر و بیشتر وہاں یہ عمر پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن بر صغیر کی آب وہوا مخالف طبع ہونے کی وجہ سے اکثر و بیشتر دو ڈھائی سال کے بعد بچہ جمورا مر جاتا ہے۔

(۲) جمہوریت کی اسی کم عمری کی وجہ سے ہر بچہ جمورا بر سر اقتدار آتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ کہ ملک و ملت کی خدمت تو اس قلیل عرصے میں ناممکن ہے۔ اصلاحی پروگراموں کا اٹھانا تو اس تھوڑے سے وقت میں بے کار ہے۔ برائی کے خاتمے کے لئے اور ہر قسم کے فساد کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کے لئے کوئی منصوبہ بنانا تو فضول ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ یہ کرسی باپ دادا کی جاگیر تو ہے نہیں، صرف چند روز کے لئے ہے تو اس یار ناپائیدار کے لئے طول طویل اقتصادی منصوبے، معاشی اصلاحات، عوام کی بھلائی و بہبودی کے پروگرام سب ریت کی دیوار ہیں۔ پس تمہارا کام تو صرف یہ ہے کہ اس چند روزہ زندگی میں جتنا ہو سکتا ہے اپنا پیٹ بھر لو کہ داشتہ بکار آید، پلاٹ کی تلاش تمہارا کام ہے۔ اچھے پرمٹ حاصل کر کے کام چلاؤ، گھڑی آخری ہے، سفر درپیش ہے، جتنا ہو سکتا ہے ان مہکتے پھولوں سے خوشبو سونگھ لو، ابھی آفتاب غروب ہوتے ہی سب خوشبوئیں ادھر رہ جائیں گی۔ اندر و باہر ملک کو جو خطرات لاحق ہیں، اگر تم ان کو دور کرنے کے بکھیڑے میں الجھ گئے تو سب مزوں سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔ اس لئے بس:

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

کے اصول پر کاربند رہو۔

بچہ جمورا کے دل و دماغ پر یہ آفت بھی سوار رہتی ہے کہ لاکھوں، کروڑوں جیب سے خرچ کر کے بمشکل اس مقام پر پہنچا ہوں، اب اگر ہر سوراخ میں ہاتھ ڈال کر ملک و ملت کے دشمن زہریلے سانپوں کو ماروں گا اور ملک کے دشمن سوئے ہوئے شیروں کو

جگاؤں گا اور پھر ان کو قابو میں لاؤں گا تو کمائی کا سارا وقت تو اس میں لگ جائے گا۔ پھر ایک لاکھ کا دو لاکھ اور کروڑ کا دو کروڑ کیسے بناؤں گا؟ بس یار بچہ جمورا باقی کاموں کو چھوڑ، تجوری خالی ہے اسے بھر دے۔

(۳) ہر پانچ سال کے بعد ملک کا فکریاتی اور نظریاتی نقشہ یکسر بدل جاتا ہے، جس کا اثر ملک کے ہر شعبے پر پڑتا ہے۔ اس اکھاڑ پچھاڑ سے جو نقصانات ہم نے اٹھائے ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ اس کی مثال آپ ایک پودے سے سمجھ لیجئے کہ اگر ہر روز یا ہر سال کے بعد آپ لگائے ہوئے درخت کے پودے کو دس بیس منٹ کے لئے بھی اکھیڑ دینگے تو پچاس سال تک بھی وہ پودا درخت نہیں بن سکے گا۔ اسی طرح گندم کا ایک دانہ تین دن تک برقرار رہنے سے پودے کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے لیکن آپ اسے ہر روز الٹاتے پلٹتے رہیں گے تو سال بھر تک اس کا پودا نہیں اُگے گا۔

دوسری مثال آپ عورت کے دردِ زہ سے سمجھ لیں دردِ زہ کبھی کبھی جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ اگر جان بچ بھی جائے تو صحت بالکل تباہ ہو جاتی ہے۔ سال بھر عورت کے دل و دماغ پر ایک فکر سوار رہتی ہے کہ کیا میں بچ جاؤں گی؟ اور کیا یہ مصیبت عافیت سے گذار کر میں ٹھیک ہو جاؤں گی؟۔ اسی طرح معاملہ عام انتخابات کا ہے کہ ہر پانچ سال کے بعد پورا ملک دردِ زہ کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کبھی کیس خراب ہو کر ملک دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ جیسے ۱۹۷۱ء کے انتخابات میں ہوا اور مشرقی پاکستان، بنگلہ دیش میں تبدیل ہو گیا۔ یہ جمہوریت نے ہمیں ایک بڑا تحفہ دیا ہے۔

(۴) ہمارا تعلق اور رشتہ تمام سابقہ اسلامی خلفاء اور مسلمان بادشاہوں سے وابستہ ہے، جس کو تاریخی لحاظ سے ہم نظر انداز نہیں کر سکتے ہیں۔ اب آیئے اور دیکھئے کہ ان بادشاہوں کی مدت حکومت کتنی تھی اور کتنی بار انتخابات ہوئے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دس سال تک خلافت کی ہے، وہاں انتخابات کہاں تھے؟ اگر وہ چالیس سال تک زندہ رہتے تو خلیفہ ہی رہتے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے بارہ سال تک خلافت کی ہے۔ آپ نے انتخابات کیوں منعقد نہیں کئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے آخر میں جان دے دی لیکن اس شرعی خلافت سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی پیش نظر دستبر دار نہیں ہوئے۔

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے چھ سال تک خلافت کی۔ اگر آپ رضی اللہ عنہ پچاس سال تک زندہ رہتے تو آپ رضی اللہ عنہ ہی خلیفہ تھے۔ باوجود اختلاف اور جنگوں کے آپ رضی اللہ عنہ نے انتخابات کا راستہ اختیار کیوں نہ کیا اور شرعی خلافت سے دستبر دار کیوں نہ ہوئے؟

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیس سال تک خلافت کی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کو مسلمانوں نے انتخابات پر مجبور کیوں نہ کیا اور بوقت بیعت یہ طے کیوں نہ کیا کہ آپ رضی اللہ عنہ صرف پانچ سال خلیفہ رہیں گے۔ پھر نگران حکومت قائم کر کے انتخابات کرائیں گے۔

ہارون الرشید رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً چالیس سال تک حکومت کی ہے، کیا اس دوران کبھی انتخابات کا چکر چلایا گیا؟ کیا حکومت کے حوالے سے ہم ان سے بہتر پوزیشن میں حکومت کر رہے ہیں؟

حدیث شریف کا مضمون ہے:

”جب دو خلیفوں کی بیعت شروع ہو جائے تو جو پیچھے آیا ہے اس کو قتل کر دو۔“

ایک اور حدیث کا مضمون ہے کہ:

”جب تمہارا انتظامِ حکومت ایک آدمی کے ہاتھ میں چل رہا ہو اور دوسرا کوئی شخص آکر امیدوار خلافت بن کر تفرقہ ڈالنا چاہتا ہو تو اس کو قتل کر دو۔“

نقص دوم

جمہوریت اور گالی گلوچ

(۱)حدیث شریف کا مضمون ہے کہ:

” مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا (اگر حلال سمجھتا ہے) کفر ہے۔
[مشکوٰۃ شریف:ص ۴۱۱]

ایک اور حدیث کا مفہوم ہے کہ:

” مسلمان بھائی کی غیبت کرنا زنا کرنے سے زیادہ سخت ہے۔“ [مشکوۃ شریف: ص ۴۱۵]

ان دونوں حدیثوں کو مد نظر رکھ کر اور اس کے علاوہ نصوص شرعیہ کو دیکھ کر آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ جمہوریت کے اس میدان دشنام طرازی میں ہم کیا کچھ کماتے ہیں اور کیا کچھ کھوتے ہیں۔ ذرا دیکھ لیجئے۔

(۲) جب دو یا زیادہ پارٹیاں یا دو امیدوار انتخابات کے دنوں میں جمہوریت کے اس میدان کارزار میں اترتے ہیں تو پھر دنیا کی ساری خوبیاں ان کی ذات میں اور دنیا کی ساری خرابیاں اس کے مد مقابل میں نظر آنے لگتی ہیں۔ وہ کون سی گالی یا بہتان طرازی ہے جو ان دونوں حضرات کے اسٹیجوں سے ایک دوسرے کے لئے بیان نہ کی جاتی ہو۔ خاندانی کہتری یا مہتری سے لے کر ذاتی عیب جوئی کا وہ کون سا پہلو ہے جو عام مجمعوں اور جلسوں میں عوام الناس کے سامنے ظاہر نہ ہوتا ہو۔ ماں بہن کی گالی تک کی نوبت آجاتی ہے۔ شکل و شباہت، چلنے پھرنے، بولنے، دیکھنے اور تخلیقی ساخت تک کو نشانہ بنایا جاتا ہے، کہ دیکھو جناب اس کی شکل کو دیکھو، بندر کی طرح ناچتا ہے، بدکردار ہے، غدار ہے، مکار ہے، عیار ہے، ملک کا دشمن ہے، اللہ کا دشمن ہے، جنت اس پر

حرام ہے، دوزخی ہے، کاش اگر انسان ہوتا، یہ تو انسان بھی نہیں، جب یہ کامیاب ہوا تھا تو اس نے فلاں جگہ ایک پل بنایا تھا وہ اتنا ناقص تھا کہ چند دنوں کے بعد ٹوٹ گیا۔

اس نے تمہاری بجلی چوری کرکے دوسری جگہ بیچ دی، میں اس کو عوامی کٹہرے میں لاؤں گا، میں اس کو ننگا کروں گا، میں اس رشوت خور اور عوامی پیسہ ہڑپ کرنے والے کو کیفر کردار تک پہنچاؤں گا۔ تم نے اگر مجھے کامیاب کیا تو میں گندگی کے اس ڈھیر کو سمندر میں پھینکوں گا، میں اس کے نام ونشان کو مٹاڈالوں گا وغیرہ وغیرہ۔

محترم قارئین! اندازہ فرمایئے۔ بچہ جمورا کیا کیا گل کھلا رہا ہے۔ مجھے تو اتنا اندازہ نہیں، آپ حضرات کے پاس تو اس سے بڑھ کر معلومات ہوں گی، میں نے صرف اشارہ کر دیا۔ کیا اس دنگل سے صالح معاشرہ وجود میں آسکتا ہے؟ یہ تو خود بدترین فساد ہے۔ جن لوگوں کے دلوں اور جذبات میں غیرت نہیں ہوتی اور وہ پکے جمہوری ہوتے ہیں وہ تو جملوں کا موازنہ کرکے خوش ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ جمہوریت کا حصہ ہے، لیکن جو لوگ غیور قسم کے نووارد مسافر ہوتے ہیں اور اس طرح دشنام طرازی سن لیتے ہیں تو ان کی رگِ غیرت پھڑکتی ہے اور اپنے جتھے کو بلا کر بندوق اٹھاتے ہیں اور فائرنگ شروع ہو جاتی ہے۔ کچھ مر جاتے ہیں اور کچھ زخمی ہو جاتے ہیں، خدارا بتایئے کہ جمہوریت امن ہے یا فساد ہے؟ اور یہ بھی بتایئے کہ جمہوریت زندہ باد ہے یا مردہ باد ہے؟ سچ ہے۔

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج

نقص سوم

"جمہوریت اور بیجا تعریف"

(۱) حدیث شریف کا مضمون ہے کہ:

"بے جا تعریف کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈال دو۔" [مشکوۃ: ص ۴۱۲]

ایک اور حدیث کا مضمون ہے:

" جب فاسق و فاجر کی تعریف ہوتی ہے تو اللہ جل شانہ غضب میں آجاتے ہیں اور عرش عظیم میں زلزلہ برپا ہو جاتا ہے۔" [مشکوۃ شریف: ص ۴۱۴]

(۲) میدان جمہوریت میں رائی کا پہاڑ بنانا، پیتل کو سونا بتانا، پیدل کو شہسوار بنانا، تاریکی کو روشنی گردانا، جھونپڑی کے مالک کو چاند پر بٹھانا، بھوکے سامعین کو شیخ چلی کا خیالی پلاؤ کھلانا اور آفتاب و ماہتاب کو چراغ دکھانا ہر کارکن کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہوتا ہے۔ عصری تعلیم میں میٹرک فیل کو افلاطون و بوعلی سینا کا ہم پلہ بتانا ضروری ہوتا ہے۔ ایساغوجی (منطق کی کتاب ہے، جو ہمارے ہاں درجہ ثانیہ کے نصاب میں داخل ہے) کی عبارت نہ سمجھنے والے کو سبع شداد کا ماہر، حکمت و منطق کا امام، احادیث و فقہ کا شیخ اور کل علوم کا علامہ بتانا تو معمولی بات ہوتی ہے۔

معمولی تجارت کا مالک اس وقت بین الاقوامی تاجر کی حیثیت سے پیش کیا جاتا ہے، معمولی ڈاکٹر اسپیشلسٹ اور فارین کی ڈگریوں کا مالک بتایا جاتا ہے، قوم کا خون چوسنے والا خادم قوم کی شکل اختیار کر لیتا ہے، سود خور اور ہر کالے دھندے کا مرتکب زمانے کا پارسا بن جاتا ہے، فاسق و فاجر،، داڑھی منڈا، شرابی، کبابی، بلکہ غیر مسلم ہندو،

قادیانی، پارسی، دہریہ، کمیونسٹ، اچھے، متقی، پرہیز گار، شریف، دیانتدار، تہجد گزار کی صورت میں ابھر کر آتا ہے۔

اگر کوئی عورت اور صنف نازک امیدوار کی حیثیت سے سامنے آتی ہے تو وہ حوروں کی سہیلی اور پارساؤں کی ماں سے کم درجہ کی نہیں ہوتی ہے۔ وہ پھر عورت نہیں بلکہ اسٹیجوں کی خطیبہ کے نام سے موسوم ہوتی ہے اور وہ اب صنف نازک کے بجائے خاتون آہن کے شاندار الفاظوں سے پکاری جاتی ہے۔

بس سب محمودہ صفات کا مجموعہ وہ خوش قسمت امیدوار بن جاتا ہے۔ نعرے لگتے ہیں کہ ہماری شان تمہاری شان فلاں فلاں اور فلاں، جب تک سورج چاند رہے گا فلانا تیرا نام رہے گا، جیتے گا بھئی جیتے گا، چاند ہمارا جیتے گا، ہمارا محبوب تمہارا محبوب پیارا محبوب پیارا محبوب، میرا ہیرو تیرا ہیرو قوم کا ہیرو قوم کا ہیرو، تیری تقدیر میری تقدیر قوم کی تقدیر قوم کی تقدیر، اس طرح بچہ جمورا قوم کی برین واشنگ کرتا ہے اور اُلّو کی چربی سے مالش کرکے انہیں مغز کا کشتہ کھلا کر سوار ہو جاتا ہے اور جہاں چاہتا ہے لے چلتا ہے۔ آپ خود انصاف کریں کہ اس طرح نمائندہ آگے چل کر سدھرے گا یا بگڑے گا۔ سچ ہے کہ:

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج

نقص چہارم

جمہوریت اور اسراف

ایک حدیث شریف کا مضمون ہے کہ قیامت کے روز کوئی آدمی اس وقت تک ایک قدم اٹھا کر آگے نہیں بڑھ سکتا جب تک کہ اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کیا جائے۔ ان میں سے ایک سوال یہ بھی ہو گا کہ مال کہاں سے کمایا تھا اور کہاں کہاں خرچ کیا تھا۔

[مشکوۃ: ص ۴۴۳]

(۱) جمہوریت سرمایہ داروں کی کرکٹ ہے۔ جب سرمایہ دار کرکٹ کا شوق پورا کرنا چاہتے ہیں تو وہ میدان انتخاب میں اتر آتے ہیں اور پھر روپے پیسے کو اس طرح بہایا جاتا ہے جس طرح سمندر یا دریا کے کنارے پانی کو بہایا جاتا ہے۔ لاکھوں روپے کے اشتہارات روزانہ اخبارات کی زینت بنتے ہیں۔ روزانہ چار پانچ جلسے منعقد کرا کے لوگوں کی رقم ہواؤں اور فضاؤں کی نذر ہو جاتی ہے۔ زیادہ جوش والے لوگ تو طبلے، باجے، گاجے اور سارنگیوں کا انتظام بھی کرتے ہیں۔ محاذ آرائی کے لئے دو دو ماہ تک ٹینٹ لگے رہتے ہیں اور اس میں ریکارڈ توڑنے والی ریکارڈنگ جاری رہتی ہے۔ کوئی شریف اگر سامنے سے گزرتا ہے اور منہ بنا کر ناپسندیدگی کا اظہار کرتا ہے تو اندر بیٹھے ہوئے بچہ جمورا کے حامی اس پر آوازیں کستے ہیں اور چست جملے اس چسپاں کرتے ہیں۔

کئی کئی گاڑیوں کا جلوس دھوم دھام سے ٹراں ٹروں کرتا ہوا مد مقابل کو ذلیل کرتا ہوا طوفانی دھواں چھوڑتا گذر جاتا ہے۔ شریف لوگ حیران کھڑے تکتے رہ جاتے ہیں اور زبان حال سے کہتے ہیں:

مرزا غریب چپ ہے اس کی کتاب روی

بدھوا کڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

(۲) حکومت وقت اور الیکشن کمیشن مجبور ہو جاتا ہے اور وہ اس بے جا اسراف پر کنٹرول کرنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن یہ جوشیلے اور آزاد منش اور جمہوریت کے کرکٹر جیتنے کے شوقین کہاں قابو میں آسکتے ہیں۔ سات یا دس لاکھ تک خرچ کرنے کی اجازت تو ان کو مل جاتی ہے، لیکن وہ کروڑوں خرچ کرتے ہیں اور گاڑی، موٹر سائیکل، ٹینٹ، ڈیکوریشن کا سامان، جلسہ گاہ، ہوٹل اور پارک بک کرانے کے بعد پھر ووٹروں کو خریدنے لگ جاتے ہیں اور ایک ایک کو ٹرخا کر بھاری مقدار رقم کے بدلے خرید لیتے ہیں۔

اگر اس مرحلے میں دل ٹھنڈا نہیں ہوتا ہے تو پھر کامیاب بچہ جمورا کو خرید لیتے ہیں۔ اس کا کم از کم مارکیٹ ریٹ ایک کروڑ روپے ہے۔ اس دوران کچھ عارضی بچہ جمورے بھی ہوتے ہیں، جو کھڑے ہو جاتے ہیں اور پھر بیٹھنے کے لئے بھاری رقم کا مطالبہ کر کے وصول کرتے ہیں۔ بعض بچے جمورے زیادہ لمبے ہاتھوں والے ہوتے ہیں تو وہ ریلوے اور فضائی نظام میں بھی ہاتھ ڈال کر اسپیشل ٹرینیں اور ہیلی کاپٹروں کو قابو میں کر لیتے ہیں۔ اس طرح دھونس دھانس اور پیسہ زوری سے خالص دھوکہ، فریب، لالچ اور اسراف و تبذیر پر یہ بنیاد کھڑی ہو جاتی ہے۔

اب آپ خود بتائیں کہ یہ حضرات آگے چل کر قومی سوچ میں کیا کردار ادا کریں گے؟ سچ ہے: ؎

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

اگر محتاط اندازہ لگایا جائے تو ایک الیکشن میں ملک کا سرکاری اور غیر سرکاری مجموعی پیسہ پانچ ارب سے زیادہ تک پہنچ سکتا ہے۔ آپ انصاف سے سوچئے کہ ہر پانچ سال بلکہ ہر ڈھائی سال بعد جو اتنا خرچ ایک ملک کا ہوتا ہو وہ کیا خاک ترقی کرے گا اور وہ کیوں کر مقروض نہ ہو گا۔ پانچ ارب روپے اگر دیانت کے ساتھ ملک کے رفاہی اور مذہبی امور پر خرچ کئے جائیں تو دس سال تک ملک خود کفیل اور ترقی یافتہ بن سکتا ہے، لیکن اس کو کون سوچتا ہے۔ کامیاب امیدوار پر خوشی کے لئے اور مد مقابل کو ذلیل کرنے کے لئے فائرنگ کا فساد سب کو معلوم ہے۔ سچ ہے ؎

خشت اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا میرود دیوار کج

نقص پنجم

جمہوریت اور ناجائز تصاویر

حدیث شریف میں ہے:

"رحمت کے فرشتے اس گھر میں داخل نہیں ہوتے ہیں جہاں (جاندار) کی تصویریں ہوں۔" [مشکوۃ شریف: ص ۳۸۵]

ایک اور حدیث کا مضمون ہے کہ:

"قیامت کے روز سب سے زیادہ عذاب تصویر کشی کرنے والوں کو ہو گا۔"

[مشکوۃ شریف: ص ۳۸۵]

ایک اور حدیث کا مفہوم ہے:

"قیامت کے روز تصویر کشی کرنے والوں کو اس میں جان ڈالنے پر مجبور کر کے عذاب دیا جائے گا۔" [مشکوۃ: ص۳۸۶]

(۱) فتنہ انتخابات اور فتنہ جمہوریت کے ساتھ ناجائز تصویروں کی لعنت کی بھی کوئی کمی نہیں ہوتی ہے۔ اگر بچہ جمہورا کو انتخابی نشان کسی جانور کا مل جائے تو پھر اس جانور کے وارے نیارے آ جاتے ہیں۔ وہ کون سا دلکش انداز ہے جس میں اس کی تصویر نہ آتی ہو؟ وہ کون سا خوش نما رنگ ہے جس سے اس جانور کو رنگا نہ جاتا ہو؟ وہ کون سی ساخت ہے جس میں وہ جانور تصویر کی صورت میں نمودار نہ ہوتا ہو؟ تتلی سے لے کر ہاتھی تک چھوٹے موٹے جانور اس اکرام وانعام سے خوب نوازے جاتے ہیں۔

خرگوش سے لے کر شیر تک وہ کون سا جانور ہے جو میدان انتخاب میں محروم رہ جاتا ہو؟ یہود و نصاریٰ اور خسیس قسم کے کفار تو ویسے بھی طبعی طور پر مکروہ قسم کے جانوروں سے محبت رکھ کر گلے سے لگاتے ہیں۔ لیکن اس میدان میں مسلمان بھی ان سے پیچھے نہیں رہے۔

شیر بطور نشان ہم نے بار بار دیکھا ہے۔ گھوڑا اور ہاتھی یا تتلی کو بھی کئی بار ہم نے دیکھا ہے۔ ہرن، بارہ سنگھا اور دیگر جانور بد قسمتی سے زمانہ انتخاب میں میدان کارزار میں اتر آتے ہیں۔ پھر وہ کون سی صفت ہے جو یہ جانور صفت انسان ان جانوروں کی بیان نہ کرتے ہوں؟ لاکھوں، کروڑوں تصویریں چھاپ کر سڑکوں، گھروں، شاہراہوں اور پبلک مقامات پر آویزاں کرتے ہیں۔

اخباری اشتہارات میں ہر روز جانور کی تصویر نمودار ہوتی ہے اور اس دفعہ تو اس وقت تعجب ہوا جب کہ جنگ اخبار کے ایک صفحے پر شیروں کی قطار دیکھنے میں آئی کہ شیروں کا ایک عظیم الشان ریوڑ نامعلوم مقام کی طرف رواں دواں تھا۔ ہم نے سنا تھا

کہ شیر جنگل کا بادشاہ ہوتا ہے اور یہ ایک آدھ بمشکل پورے جنگل میں ہوتا ہے، لیکن بچہ جمہورا نے دنیا کو اس کے ریوڑ دکھا کر ریکارڈ میں اضافہ کر دیا۔ پھر صرف نشان اور اس کی تصویر پر قناعت نہیں ہوتی بلکہ بچہ جمہورا خود اپنی تصویر بھی چھپوا کر اپنے خدو خال سے عوام الناس کو لطف اٹھانے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ نہ رنگین تصاویر کی کمی ہوتی ہے نہ سادہ تصاویر کی قلت ہوتی ہے، نہ چھوٹی تصاویر کا کوئی بحران پیدا ہو سکتا ہے اور نہ قد آدم تصاویر کا کوئی قحط ہوتا ہے۔ ہر گھر پر، ہر دفتر اور شاہراہ پر اور ہر پرچہ و اخبار اور ہر حجر و شجر اور دیوار کو اس سے وافر حصہ مل جاتا ہے۔

پھر اس سے کچھ آگے جب بچہ جمہورا کو جوش چڑھتا ہے تو وہ لکڑی یا سیمنٹ یا سٹیل کے مجسمے بنا کر چورنگیوں پر نصب کرتا ہے۔ لسبیلہ چورنگی پر اب بھی ایک مکروہ مجسمہ نصب ہے۔ کوٹ، پتلون اور ٹائی میں کسا ہوا ایک شخص معمولی جھکاؤ کے ساتھ عوام کی طرف مائل ہے۔ اس کے انداز سے ایسا لگتا ہے کہ لندن کے چرچ خانے یا اسٹریلیا کے جنگلات سے ابھی ابھی واپس آکر ہیلی کاپٹر سے اترا ہے۔ چند برس پہلے لانڈھی پل سے گذر کر کچھ فاصلے پر سڑک کے بیچ فٹ پاتھ پر ایک محترمہ کا ایسا مجسمہ نصب تھا جس پر فن ثقافت کی انتہا ہو گئی تھی اور حیا سوزی کا کوئی بھی گوشہ وہاں مخفی نہ تھا۔ اہل دل تو کہتے ہیں ؎

دین احمد میں ابھی تک بت پرستی آئی نہیں
اس لئے ہم نے کبھی فوٹو کھنچوائی نہیں

ہائے افسوس عورت ذات اور اس کی تصویر ہر جگہ بطور نمائش، ہائے حیا اٹھ گئی ہے۔

(۲) اس میدان میں مذہبی رنگ لئے سیاستدان بھی اپنے دوسرے بھائیوں سے پیچھے نہیں رہتے۔ تصاویر میں ان کی دستار فضیلت نرم ہوا کے معمولی جھونکوں سے فضاء میں ایسی اڑتی ہوئی دکھائی دیتی ہے کہ دیکھنے والے کو یہ تائثر ملتا ہے کہ بس اب تو یہ حضرت اور اس کی قوم آسمان عروج پر بلند ہو پہنچنے والی ہے۔ حضرت کی دلکش مسکراہت پان کی معمولی سی سرخی ہر کارکن کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بعض قبائلی سرداروں کی کجکلاہی اور شاندار طرہ وطغراء گزرنے والے کو اپنی طرف جذب کرلیتا ہے۔

الغرض ایک طرف مالی ضیاع اور دوسری طرف شریعت کی نافرمانی اور تیسری طرف نئی نسل کو ایک ناجائز کی صورت پیش کرنا یہ سب جمہوریت کی نامہربان مہربانیاں ہیں۔ اگر ہم مسلمان ہیں، یہ ملک مسلمانوں کا ہے اور شریعت کوئی ضابطہ و قانون ہے تو پھر ماننا پڑے گا کہ جمہوریت زبردست لعنت ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

طرز جمہوری نہ تاج و کج کلاہی چاہیئے
ارے جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیئے

(۳) ملک کا الیکشن کمیشن تصاویر کی اس لعنت اور نافرمانی کی اس گندگی میں برابر کا شریک ہے۔ اس آلودگی سے وہ اپنے دامن کو پاک نہیں کر سکتا ہے، کیوں کہ اس نے ہی جاندار کا یہ نشان الاٹ کیا اور بچہ جمہورا کو اس مصیبت میں اس کی خوشی سے پھنسایا۔ کیا اس تاریک عمل سے کوئی روشن مستقبل ابھر سکتا ہے۔ سچ کہا ؎

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

نقص ششم

جمہوریت اور جھوٹے وعدے

حدیث شریف کا مضمون ہے کہ:

"منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے اور جب وعدہ کرتا ہے تو اس کے خلاف کرتا ہے اور جب امین بنایا جاتا ہے تو خیانت کرتا ہے۔"

[مشکوۃ: ص۱۷]

بہت ساری احادیث اور کئی قرآنی آیات اس بات پر زور دیتی ہیں کہ وعدہ پورا کرو اور بدعہدی مت کرو۔

(ا) لیکن جمہوریت کے اس میدان کا طرہ امتیاز وعدہ خلافی اور اقرار سے فرار ہونا ہے۔ اس کی اصلی وجہ یہ ہوتی ہے کہ بچہ جمورا چونکہ وقتی طور پر اپنا الو سیدھا کرنا چاہتا ہے۔ وہ صرف کرسی تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے تو اس مقصد کے لئے وہ اتنے بڑے وعدے کرتا ہے جن کا پورا کرنا کسی طرح اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا ہے، تو چارو ناچار راہ فرار اختیار کرتا ہے۔ مثلاً وہ وعدہ کرتا ہے کہ جناب پہاڑ کی اس چوٹی پر پانی لانا اور ہر گھر میں پائپ لگا کر چلانا میرا پہلا کام ہو گا۔ محترم دوستو! جس دن میں کامیاب ہو گیا اسی دن دیکھو گے کہ یہاں بجلی روشن ہو گی، میری کامیابی ہو گی اور سوئی گیس کے لیمپ آپ کے گھروں میں روشن ہوں گے۔ میں اگرچہ ۱۹۷۷ء میں تقریر کر رہا ہوں لیکن کامیاب ہوتے ہی اشیاء کی قیمتیں ۱۹۷۰ء کی سطح پر لے آؤں گا۔ میرے دوستو! یاد رکھو، اگر مجھے کامیاب کرایا تو میں کراچی کو لندن اور پیرس بنا دوں گا۔

نادانو! ایک دفعہ مجھے کامیاب تو کرادو، میں بستی والا ہوں۔ میں آٹا، دال اور چینی غریبوں کے لئے مفت کی قیمت تک لاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ غریب کا بچہ کیا کچھ کھاتا ہے، مجھے اس کی تعلیم کا پورا احساس ہے۔ جناب عالی! ابھی میں آرہا تھا، راستے میں سارے گٹر اُبل رہے تھے۔ اگر کسی غریب کا بچہ اس میں گر کر مر جائے تو پھر کیا ہو گا؟ جس دن میں کامیاب ہوا تو حلف بعد میں اٹھاؤں گا اور گٹروں کو پہلے بنواؤں گا۔

دوستو! میرے دل کو تم جانتے نہیں ہو، میں اگر کامیاب ہوا تو ہر مزدور کی تنخواہ تین ہزار ماہانہ مقرر کروں گا۔ صنعتی انقلاب لاؤں گا اور دو تولے سونا ہر مزدور کی ماہانہ تنخواہ ہو گی (حضرت کی یہ تحریر کافی پہلے کی ہے اسلئے تین ہزار تنخواہ کا ذکر ہے، اس وقت یہ زیادہ سمجھی جاتی تھی، مرتب)۔ میں اسمبلی میں اس کا بل پاس کراؤں گا۔ امریکہ کا منہ کالا ہو گا۔

(۲) دیکھو! میرے اسلام کے غیور مسلمانو! میں اگر کامیاب ہو گیا تو پوری شریعت نافذ کروں گا۔ نہ یہاں چور رہے گا نہ رشوت خور رہے گا۔ یہ ملک مسلمانوں کا ہے، یہ شراب خوروں اور لٹیروں کا نہیں۔ ہم عدالتوں کو درست کریں گے۔ ایک دن مقدمہ دائر ہو گا دوسرے دن فیصلہ ہو گا۔ قرآن و سنت کے مطابق نظام جاری ہو گا۔ اسلام کے زمزمے ہوں گے، بس صرف دیر اس کی ہے کہ میں صرف اس حلقہ سے کامیاب ہو جاؤں۔ پھر یہاں اسلام آئے گا۔ تم امن و سکون، عزت و عظمت کی زندگی گذارو گے، چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، زانی سنگسار ہو گا، قاتل سے قصاص لیا جائے گا، اسلام کا بول بالا ہو گا اور امریکہ کا منہ کالا ہو گا۔

(۳) میرے محنت کش ساتھیو! غریب کی محنت اور اس کے پسینے سے سرمایہ دار دو سو روپے اپنی جیب میں ڈالتا ہے اور دو روپے غریب کو دیتا ہے۔ ان کے کتے قورمے

کھاتے ہیں اور محنت کش کا بچہ سوکھی روٹی کو روتا ہے۔ میرا کامیاب ہونا ہے اور سب ظلم کا اندھیرا چھٹ جانا ہے۔ میں ان سرمایہ داروں سے ان کے کارخانے چھین کر غریب کے بیٹے کے ہاتھ میں رکھ دوں گا۔ یہ شیطان صفت انسان اور یہ درندے نونو گز کی کاروں میں گھومتے ہیں اور غریب کے لئے سر چھپانے کی جگہ نہیں ہے۔ میں اگر کامیاب ہو گیا تو میں ان درندوں کی چمڑی اتار دوں گا۔ بس تم صرف ووٹ مجھے دے دو، آگے ان سے نمٹنا میرا کام ہے۔ عجیب ظلم ہے کہ ہم بھی انسان ہیں، یہ بھی انسان ہیں۔ پھر ساری زمینیں ان کی کیوں ہیں؟ سب کارخانے ان کے کیوں چلتے ہیں؟ بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ان کی کیوں ہیں؟۔ یہ سورمار سامراج اور اس کے ایجنٹ یہاں ایسے نہیں رہیں گے۔ میں ان سے سب کچھ حساب لوں گا۔ پھر غریبوں اور محنت کشوں کا دور ہو گا اور امریکہ کا منہ کالا ہو گا۔

لیکن ہر بچہ جمورا اس طرح جوش خطابت دکھا کر جب کامیاب ہو جاتا ہے تو اس کو دوبارہ اس گلی سے گذرتے ہوئے گھن آتی ہے اور وہ رومال منہ پر رکھ کر گذر جاتا ہے اور ایک وعدہ بھی پورا نہیں کرتا ہے۔ اس طرح بدعہدی اور خلاف ہو گی اور جھوٹے وعدے اور دعوے کر کے وہ نئی نسل کو بگاڑ کر عیاری و مکاری کے اس میدان میں اتارتا ہے۔ کیا اس سے بلند نظری، عظمت و وقار کی ترقی ہو سکتی ہے؟ سچ ہے ۔

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

نقص ہفتم

جمہوریت اور منافرت

چونکہ جمہوریت کے اکثر اصول خلاف تدبیر اور خلاف فطرت ہوتے ہیں، اس لئے بدانتظامی، شور وغوغا، دنگل وفساد جمہوریت کا لازمی حصہ شمار ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں آزادی ہے، آؤ جلوس نکالتے ہیں، جلوس نکالنا ہمارا حق ہے، آؤ ہڑتال کرتے ہیں، ہڑتال کرنا ہمارا جمہوری حق ہے۔ اس طرح یہ لوگ جب میدان میں آکر توڑ پھوڑ کر کے کسی کے خلاف زہر اُگل لیتے ہیں تو سامنے والا جوابی کاروائی کرتا ہے۔ اس طرح امن وامان تباہ ہو کر نفرت کی دیوار بھی کھڑی ہو جاتی ہے اور بغض وحسد، عناد ودشمنی، منازعت ومخاصمت اور منافرت کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔

اس انتخابی مہم میں جب دو امیدوار ایک دوسرے پر حملے شروع کر کے جملے کستے ہیں تو دوسری طرف مقابل بھی جوابی کاروائی کرتا ہے اور اس طرح ایک ہی شہر، ایک ہی گاؤں، ایک ہی ملک کے دو مسلمان آپس میں دشمن ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کے سائے سے بھی نفرت کرتے ہیں۔ پھر خاندان کے افراد چونکہ مختلف خیال کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ جمہوریت کی آزادی ہوتی ہے۔ اس لئے ہر خاندان میں نفرت و نفاق پیدا ہو جاتا ہے۔

سالہا سال تک باتیں نہیں کرتے ہیں کہ اس نے مجھے ووٹ نہیں دیا ہے اور اس طرح صلہ رحمی کا رشتہ تار تار ہو کر رہ جاتا ہے۔ بسا اوقات اس نفرت کے دوران جھگڑا ہو کر فائرنگ ہو جاتی ہے۔ کوئی آدمی مر جاتا ہے پھر تو ظاہر ہے کہ پورا علاقہ بد امنی اور فساد کی لپیٹ میں آجاتا ہے اور ہمیشہ کے لئے دشمنی کھڑی ہو جاتی ہے۔

آزادی کے لئے اس نظریئے نے بیٹے بیٹی کو والدین کا نافرمان بنا دیا، کیوں کہ والدین کی ہر نصیحت کو بیٹے یہ کہہ کر ٹھکراتے ہیں کہ جمہوریت کا دور ہے۔ اس میں ہر ایک کو آزدی کا حق حاصل ہے۔ اس آزادی کا اثر مسجد کے اماموں اور مقتدیوں پر بھی پڑتا ہے۔ ایک مقتدی امام کے خلاف اسی آزادی کی آڑ میں محاذ قائم کرتا ہے اور گستاخی کا ارتکاب کرتا ہے۔ امام صاحب بھی اس آزادی کی روشنی میں وقت کے بادشاہ کے خلاف تقریر کرتا ہے جس سے عام نفرت پھیلتی ہے۔

پھر اس مکروہ آزادی کے نام پر اخبارات اور صحافی حضرات اسلام کے خلاف شر انگیز بیانات جاری کرتے ہیں اور کھل کر اسلام پر حملے ہوتے ہیں۔ تنبیہ پر یہی جواب ہوتا ہے کہ جناب یہ جمہوریت ہے، ہمیں آزادئ رائے کے اظہار کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ بعض جرائد و رسائل میں اور پمفلٹوں میں کھل کر کفر کو عام کیا جاتا ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عزتیں محفوظ نہیں، احادیث مقدسہ کا وجود خطرے میں ہے اور مقدس ہستیوں کا احترام داؤ پر لگا ہوا ہے۔ اگر آپ کو اس میں شک ہے تو ملعون رشدی اور اس کے بکواسات اور پھر آزادئ اظہار اور جمہوری آزادی پر کچھ وقت کے لئے نگاہ ڈال کر دیکھیں۔ اس وقت عمومی نفرت پھیلانے کی جڑ اخبارات ہیں۔

صبح صبح کوئی شخص اخبار اٹھاتا ہے تو اس قسم کے شر انگیز خبروں سے دن کے آغاز پر ہی وہ شخص ہیجانی کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ایک دفعہ مجھے خوب یاد ہے کہ اخبار کی خبروں کی وجہ سے لسانی فسادات دن آٹھ بجے کے بعد شروع ہوئے اور کئی انسان مارے گئے اور عظیم فساد ہوا، بلکہ اب تو اخبارات بدمعاشوں کے لئے بدمعاشی کا لائحہ عمل اور طریقہ کار چھاپ کر راہنمائی کرتے ہیں۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے نصف صدی قبل فرمایا تھا کہ:

"ہر فساد کی جڑ یہ اخبارات ہیں، پھر فرمایا میری مسجد میں اس لئے امن وامان ہے کہ یہاں جمہوریت نہیں ہے۔"

بہر حال اس شور و غوغا اور اس افراتفری میں کیا کوئی پُر امن صالح معاشرہ اپنی جڑیں استوار کر سکتا ہے؟ سچ ہے ؎

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

یہ تو وہی ظالمانہ اصول ہیں کہ لڑاؤ اور حکومت کرو۔ معاشرے کی تمام برائیوں کی ذمہ داری براہ راست سربراہ مملکت پر عائد ہوتی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس سے بری الذمہ نہیں کر سکتا ہے۔ پورے عوام کی رہنمائی اور اصلاح کا سوال قیامت میں ان کے حکمران سے ہوگا۔

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ:

"وقت کا بادشاہ رعایا پر نگران ہے، اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا"

ایک دفعہ ایک شان والے صحابی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ قبلے کی طرف متوجہ ہوئے اور تین دفعہ یہ جملہ دہرایا:

"ھلک اھل العقد و ربّ الکعبۃ"

رب کعبہ کی قسم، حکمران ہلاک ہو گئے۔

پھر فرمایا کہ مجھے ان پر اتنا افسوس نہیں بلکہ بڑا افسوس ان لوگوں پر ہے جن کو ان حکمرانوں نے گمراہ کر دیا ہے۔ [مشکوۃ: ص ۹۹]

اس پوری بحث کا نقشہ کسی نے اس طرح پیش کیا ہے۔ کچھ تصرف کے ساتھ:

آزادئ جمہور کا آیا ہے زمانہ
ہر نقش کہن تم کو نظر آئے مٹادو

نقص ہشتم

جمہوریت اکثریت یا اقلیت

قرآن و حدیث کا فیصلہ تو اس پر ہے کہ اکثریت عمومی طور پر بُرے لوگوں کی ہوتی ہے۔ اچھے لوگ تھوڑے ہوتے ہیں۔ عقلاء دنیا اور شعراء عرب نے تو اپنے مضامین میں یہی سمجھایا ہے کہ اچھے لوگ کمیاب ہوتے ہیں۔ عرب کا مشہور دانشور شاعر سموٴال بن عادیا اپنی بیوی سے مخاطب ہو کر کہتا ہے ؎

تُعَیِّرُنَا بِاَنَّا قَلِیْلٌ عَدِیْدُنَا
فَقُلْتُ لَهَا اِنَّ الْکِرَامَ قَلِیْلٌ

” میری بیوی مجھے اس بات پر طعنہ دیتی ہے کہ ہماری تعداد کم ہے۔ میں نے اسے کہا کہ اچھے اور شریف لوگ کم ہی ہوتے ہیں۔“

باز کے گھونسلے میں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو بچے ہوتے ہیں۔ لیکن چھوٹے سے پرندے۔ چڑیے اور فُتُفتے کے دس دس بچے ہوتے ہیں۔ اس مضمون سے ہٹ کر میں محترم قارئین کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ موجودہ جمہوریت میں واقعی اکثریت ہوتی ہے یا یہ بھی جمہوری فراڈ ہے۔

سب سے پہلے تو آپ یہ اندازہ لگائیں کہ پاکستان میں بارہ کروڑ عوام میں بچوں کو چھوڑ کر اندازاً بالغ افراد بشمول خواتین آٹھ کروڑ ہوں گے۔ بد قسمتی سے عورتیں بھی

گھوم پھر کر پولنگ اسٹیشن کی بھیڑ بھاڑ میں اپنا ووٹ کاسٹ کرنے آتی ہیں، تو آٹھ کروڑ عوام اور جمہوریت کی روشنی میں اصحاب رائے یا بالغ رائے دہی والے ووٹرز اس ملک میں موجود ہیں، لیکن الیکشن میں جو کُل ووٹ پڑتے ہیں اندازاً وہ تین کروڑ کے قریب ہوتے ہیں ، تو پانچ کروڑ نے ووٹ ہی نہیں ڈالا ۔ پھر اس بنیاد پر جو حکومت بنی وہ اکثریت والی کہاں ہوئی ؟ سب پارٹیاں مل کر بھی حکومت بنائیں وہ پھر بھی اقلیت میں ہیں۔

یا مثلاً ایک حلقہ میں چار امیدوار ہیں اور اس حلقے میں اکیاسی ہزار ووٹرز ہیں ۔ جناب قدرت اللہ نے بیس ہزار ووٹ حاصل کئے ، جناب نثار احمد صاحب نے بیس ہزار ووٹ حاصل کئے ، جناب قربان صاحب نے بیس ہزار ووٹ جیت لئے اور جناب محترم بچہ جمورا مشتاق صاحب نے اکیس ہزار ووٹ ہتھیا لئے اور جیت گئے باقی تین حضرات ہار گئے یعنی ساٹھ ہزار بالغ رائے دہی والے ہار گئے ۔ وہ شکست خوردہ ہو گئے اور اکیس ہزار والا جیت کر اکثریت کا مالک بن گیا۔ یہ ہے بچہ جمورا کی اکثریت ، پھر جب وہ تین ساتھی مڑ کر دیکھتے ہیں کہ لیلائے کرسی کا مالک تو وہ بن گیا ہے تو یہ حضرات آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور گٹھ جوڑ کرتے ہیں اور فوراً بچہ جمورا کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہیں۔ جب ساٹھ ہزار اصحاب رائے ۲۱ ہزار اصحاب رائے پر حملہ آور ہو جاتے ہیں تو پھر نہ بچہ جمورا باقی رہتا ہے اور نہ اس کی کرسی ، بلکہ یہ جم غفیر اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر چت لٹا دیتا ہے ۔ کسی شاعر نے کیا ہی خوب کہا ہے ، کچھ تصرف کے ساتھ ؎

قدرت خالق پہ قربان اور نثار چت کیا ایک ڈھوہ کو اور مارا ہے
وقت کے دانشوروں نے کر لیا یہ فیصلہ مولوی مشتاق بس آج ہارا ہے

اس وقت ملک میں جو حکومت جمہوریہ چل رہی ہے، اس کو قریباً چھتیس فیصد ووٹ ملے ہیں، اور جو بیچارے محروم مارے مارے پھرتے ہیں ان کو قریباً بیالیس فیصد ووٹ ملے ہیں۔ طبعی طور پر یہ شکست کا اعتراف نہیں کرتے اور ادھر سے ان کو طعنے ملتے رہتے ہیں کہ اقلیت کے سامنے یہ اکثریت کا مالک سر تسلیم خم کیوں نہیں کرتا۔ اس اقلیت واکثریت کے نظریئے نے قوم کی ہر پارٹی کے کارکن کو جعلسازی پر مجبور کر دیاہے۔ چونکہ اکثریت بنانے کی ضرورت ہے، خواہ وہ مذہبی پارٹی کا مذہبی فرد ہو یا غیر مذہبی پارٹی کا کوئی فرد ہو۔ ہر ایک اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح سے جعلی ووٹ ڈالے جائیں۔ چنانچہ اس کے لئے دیانت کے تمام اصولوں کو پامال کرکے ہر حربہ اور ہر حیلہ بروئے کار لایا جاتا ہے، یہاں تک کہ بعض اوقات ووٹوں کی پیٹی کو چرا لیا جاتا ہے، بجلی بند کرکے موم بتی کی روشنی میں ووٹ گنے جاتے ہیں اور اسی دوران چکر بازیاں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ رشوتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ریڈنگ افسروں، الیکشن کمشنروں اور پولیس افسروں کے دولت کمانے کے دن آجاتے ہیں۔

ان تمام مراحل سے گذر کر اگر ایک پارٹی اکثریت حاصل کر لیتی ہے اور فوج کے چاق وچوبند دستے اس کو پسند نہیں کرتے ہیں تو اسی وقت سیکورٹی کے جوان میدان میں اتر آتے ہیں اور اس نومولود بچہ جمورا کو بے دردی سے کچل دیتے ہیں اور وہاں خود بیٹھ جاتے ہیں، اگر کسی کو اس میں شک ہو تو الجزائر وغیرہ کے حالات ان کے سامنے ہیں۔ اس لئے مذہبی جماعت سے تعلق رکھنے والے حضرات ان تمام خطرات کو ملحوظ رکھ کر قدم اٹھائیں۔ سچ ہے کہ ؎

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

نقص نہم

جمہوریت قدر دانوں کی ناقدری

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ:

"لوگوں کو ان کے مرتبوں کے مطابق رکھا کرو۔" [مشکوۃ شریف]

جمہوریت میں جہاں اور نقائص ہیں وہاں یہ بھی عجیب قسم کا ایک نقص ہے کہ باوجود آزادی اور بیجا تعریف اور آزادانہ تنقید کے رجال کار میدان کے شہسوار اور ایک عامی گنوار میں فرق و امتیاز نہیں ہوتا ہے۔

سب سے پہلے لفظ ووٹ کو آپ لیجئے۔ ووٹ کے معنی "رائے" ہے اور "رائے" کے لئے صاحب الرائے آدمی کی ضرورت ہے۔ اب آپ خود سوچ لیجئے کہ جن لوگوں کو ہم بچہ جمورا کے انتخاب کے لئے میدان جمہوریت میں اتارتے ہیں، ان میں کتنے اصحاب الرائے ہوتے ہیں؟ کتنے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنا نام لکھ سکتے ہیں۔ خیر یہ تو معمولی کمزوری ہے، لیکن سوچ کے لحاظ سے، فکر و تدبر کے لحاظ سے، دیانت و امانت کے لحاظ سے، ملک و ملت کے حوالہ سے کیا ہر شخص اس قابل ہوتا ہے جو تشکیل خلافت میں دخیل ہو کر رائے پیش کرے؟

بہت سارے لوگ انتخاب کے دن پوچھتے ہیں کہ جناب بتایئے، میرا ووٹ ہے، میں اپنا ووٹ کہاں استعمال کروں۔ اس کا اردو ترجمہ یہ ہے کہ میں صاحب الرائے آدمی ہوں، آپ مجھے رائے دیں کہ میں اپنی رائے کہاں استعمال کروں۔ اگر وہ صاحب الرائے ہے تو پھر اس رائے کے استعمال میں دوسروں سے رائے کیوں مانگتا ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ بیچارہ صاحب رائے ہی نہیں اور کہتا پھرتا ہے کہ جناب میں صاحب الرائے ہوں۔

اس المیہ کو دیکھیں کہ مثلاً ملک کا سربراہ صدر پاکستان بھی میدان جمہوریت میں وہی وزن رکھتا ہے جو اس ملک کی ایک بھنگن رکھتی ہے۔ بھنگن کی رائے اور ووٹ اور صدر پاکستان، وزیر اعظم پاکستان اور چیف آف آرمی اسٹاف پاکستان کی رائے اور ووٹ کی ایک ہی قیمت اور ایک ہی وزن ہے۔ اس کھیل میں مردم ناشناسی اور قدردانوں کی کتنی ناقدری ہے آپ خود سوچ سکتے ہیں۔ اسی پس منظر کے پیش نظر کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے۔

جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

یعنی سروں کو دیکھتے ہیں مگر بھیجے کو نہیں دیکھتے۔

ایک طرف ملک کا مفتی اعظم کھڑا ہے، اس کی رائے ہے، ایک دانشور کھڑا ہے، اس کی رائے ہے، مدبر، فلاسفر، اسپیشلسٹ، ڈاکٹر، پروفیسر اور اعلیٰ درجے کے ادیب، مضمون نگار، تجزیہ نگار اور اعلیٰ سوچ کے مالک کھڑے ہیں ان کی رائے ہے اور دوسری طرف چوڑا چماڑ، نابکار، ناتجربہ کار، اجڈ، جاہل، گنوار، نانہجار کھڑا ہے۔ دونوں کی رائے یکساں وزن رکھتی ہے، دونوں کی سوچ و فکر ایک ہی قیمت رکھتی ہے اور ظاہر ہے کہ ہر دور میں ناتراشیدہ حضرات مہذب حضرات کے مقابلے میں زیادہ ہوتے ہیں، پھر وہی چرسی، افیمی، ہیروئنچی، مدکی، تاڑی خور اور شمکور لوگ میدان جیت لیتے ہیں۔ یہ کرسئ اقتدار پر آجاتے ہیں۔ شریف بے چارے چپ ہو کر گھر بیٹھ جاتے ہیں۔ اسی مناسبت سے کسی نے کہا ہے۔

مرزا غریب چُپ ہے اس کی کتاب ردی

بدھوا کڑ رہے ہیں صاحب نے یہ کہا ہے

اس سے بڑھ کر مصیبت یہ ہوتی ہے کہ اسلامی حکومت کی تشکیل میں مسلمانوں کے ساتھ غیر مسلم اس تشکیل وانتخاب میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ ہندو، عیسائی، یہودی، قادیانی، دہریہ، منکرین حدیث اور دشمنانِ صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس رائے دہی اور رائے زنی میں برابر کا حق حاصل ہوتا ہے۔ ملک کے دشمن آ آکر اپنی پسند کے بچہ جمورا کی حمایت کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ملک کا جو نقصان ہوتا ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے۔

کاش ہم چین سے عبرت حاصل کرتے کہ جہاں پارلیمان میں ایک ممبر بھی مسلمان نہیں ہے اور کاش ہم امریکہ سے عبرت حاصل کرتے جس کے سینٹ واقتدار اعلیٰ میں ایک بھی مسلمان نہیں ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

بس یہ بے حمیتی اور کمزوری کے سارے اخلاق حسنہ ہم نے قبول کر لئے ہیں۔ کوئی پتہ نہیں چلتا کہ کون صاحب کیا ہے اور کیسا ہے؟ کسی نے سچ کہا ہے

کس نمی داند کہ بھیّا کون ہے

پاؤ ہے یا سیر ہے یا پون ہے

کسی ظریف الطبع شاعر نے کسی زمانے میں جمہوریت کے خدوخال اس طرح پیش کئے تھے۔ (ایک لفظ کے تصرف کے ساتھ)

چلتے چلتے ایک صاحب یہ نصیحت کر گئے

گوشت گر ملتا نہیں تو دال کھایا کیجئے

جمہوریت نے آپ کو خچر بنا ڈالا تو آپ

وقت کے اس اصطبل میں ہنہنایا کیجئے

نقص دہم

جمہوریت اور ضعف مملکت

تجربہ بڑی چیز ہوتی ہے۔ ہم نے اپنے ملک خداداد پاکستان میں تجرباتی طور پر اس بات کو پالیا ہے کہ جمہوریت کی وجہ سے کسی ملک میں وہ استحکام نہیں آسکتا ہے جو بادشاہت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ہم ہزار بار بادشاہت کی مخالفت بھی کریں، لیکن مجبوراً یہ ماننا پڑتا ہے کہ باشاہت میں بنسبت جمہوریت کے استحکام اور سکون زیادہ ہوتا ہے۔ میں نے نقص اول کے عنوان کے تحت بھی اس پہلو کے متعلق کچھ عرض کیا ہے۔ اسے بھی دیکھ لیا جائے اور یہاں بھی۔

جمہوریت میں جو یہ مقررہ مدت ہے، یہ اس کی اصل کمزوری ہے اور یہی چیز ملک کی جڑیں کھوکھلی کر دیتی ہے۔ مثلاً برسر اقتدار شخص اگر شخصی حکومت کا بادشاہ اور مالک ہے تو اس کے دل و دماغ پر یہ چیز سوار رہتی ہے کہ میرے مرنے کے بعد میرا ہی ولی عہد حکمران بنے گا اور اس ملک پر حکومت کرے گا تو وہ ہر طرف سے ملک کے مضر مادوں کو جڑ سے اکھیڑ پھینکنے کی کوشش کرتا رہے گا۔ ملک کے اندر یا باہر اگر ملک کا کوئی دشمن موجود ہو گا تو بادشاہ وقت ہر ممکن کوشش کر کے اسے ٹھکانے لگائے گا، تاکہ آئندہ اس کی اولاد کے لئے کوئی دردسر نہ بن سکے۔

گھر کے اندر کا سانپ اور درجہ رکھتا ہے اور مسجد میں سانپ بیٹھ جائے یا سرائے خانہ میں آکر ڈیرا جمالے تو اس کی حیثیت اور ہوتی ہے۔ بعینہٖ اسی طرح بادشاہی

حکومت اور جمہوری حکومت کا معاملہ ہے۔ اگر بادشاہت ہے تو بادشاہ براہ راست اپنی میراث پر حملہ سمجھ کر دشمن اور غلط نظریات اور فتنے وفساد کا دفاع کرتا ہے، لیکن اگر جمہوریت کا کوئی چیمپئن اور چیئرمین ہو تو وہ صرف اپنا الو سیدھا کرے گا، ملکی اصلاح کی اس کو ضرورت کیا ہے؟ اور آئندہ ملکی خطرات سے اس کو سروکار کیا ہے۔

جمہوریت میں عدم استحکام کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں فیصلہ کرنا مرحلہ وار ہوتا ہے۔ اسمبلی میں بحث ہوتی ہے، سینٹ سے اجازت لینی پڑتی ہے، صدر کے دستخط ہوتے ہیں اور تمام دفتری امور نمٹانے کے بعد فیصلے کا مرحلہ آتا ہے۔ اس دوران دشمن اپنا کام کر گذرتا ہے۔ لیکن بادشاہ کی آنکھوں کا اس نازک مرحلہ میں اشارہ کافی ہوتا ہے، کسی کے انتظار یا اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ ہمارا مشرقی پاکستان انہیں اجازت ناموں کی وجہ سے کٹ گیا تھا۔

دنیا کی موجودہ حکومتوں پر نظر دوڑائیں تو آپ کو سب سے زیادہ مضبوط حکومت وہ نظر آئے گی جس میں مضبوط بادشاہت ہو۔ مثلاً سعودی عرب وغیرہ ہے۔ پاکستان میں جمہوریت کا کتنا چرچا ہے کہ ہر کہہ ومہہ، مسلم وغیر مسلم، مولوی وغیر مولوی سب جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں اور گویا کہ جمہوری نجات دہندہ بلکہ خالق ومالک اور رازق ہے۔ لیکن اگر اندر سے جھانک کر دیکھ لیا جائے تو فوجی شعبوں کو چھوڑ کر باقی شعبوں میں دنیا میں سب سے زیادہ کمزور حکومت پاکستان کی ہے، بلکہ ایک لحاظ سے تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں حکومت ہی نہیں۔

جہاد مقدس سے جب روس پارہ پارہ ہونے لگا تو ملک کو گرانے کے لئے سب سے پہلا اعلان جمہوریت اور آزادی کا اعلان تھا کہ ایک دن آزادئ جمہوریت کا اعلان ہوا اور دوسرے دن ملک ٹوٹنا شروع ہو گیا اور اب تک ٹوٹ رہا ہے۔ اور یہ بحث خالص

استحکام مملکت کی روشنی میں ہے، اس کا تعلق اسلامی حکومت یا غیر اسلامی حکومت کے حوالے سے نہیں بلکہ صرف جمہوریت اور بادشاہی کے اصولوں کی نشاندہی کی حد تک ہے۔ البتہ بادشاہت کے اصول اسلامی حکومت اور خلافت کے زیادہ قریب ہیں جبکہ جمہوریت اور اسلام دو متضاد چیزیں ہیں۔

جمہوریت میں چونکہ آزادئ رائے کے اظہار کا حق حاصل ہوتا ہے، اس لئے ہر چھوٹا بڑا ملک کے ہر حساس اور چھوٹے بڑے معاملے میں علی الاعلان دخل اندازی کرتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے روحانی مضر اثرات کے علاوہ برے مادہ اثرات بھی پڑتے ہیں۔ ایک لیڈر اعلان کرتا ہے کہ دفاعی امور پر ہم اتنا روپیہ خرچ کریں گے۔ دوسرا کہتا ہے ہم کو دفاع کی کیا ضرورت ہے، ہمارا پیٹ خالی ہے، یہ رقم ادھر لگادو۔ تیسرا کہتا ہے کہ دفاع پر اتنی رقم کیوں خرچ کرتے ہو، اس رقم سے کھیل کے میدانوں اور ثقافتی طائفوں کی حالت بہتر بنالو، اس طرح ذہنی طور جمہوری پارٹیوں کی طرح ہر شخص ایک الگ سوچ رکھتا ہے تو اس افتراق و انتشار سے کیا ملک مضبوط ہوگا یا کمزور تر ہوتا جائے گا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

شخصی حکومت اور بادشاہت میں برسر اقتدار بادشاہ اگر ظلم یا بے دین ہوتا ہے تو کچھ عرصہ بعد اس کی اولاد میں کوئی صالح آدمی آجاتا ہے اور پورے نظام کو درست کر دیتا ہے۔ جیسا کہ تاریخ خلفاء سے یہ بات عیاں اور واضح ہے۔ اکبر بادشاہ نے پورے نظام کو برباد کیا تھا اور نیا دین ایجاد کیا تھا لیکن بعد میں دیگر بادشاہوں نے جو اس کی اولاد میں آئے اس نظام کی اصلاح کی، پھر عالمگیر جیسے عالم دین اس میں آئے اور

حالات یکسر درست ہو گئے۔ بہر حال اس میں اصلاح کی امید ہوتی ہے، لیکن جمہوریت تو ایسے خطوط پر قائم ہوتی ہے کہ ہر آنے والا پہلے سے کچھ بدتر ہو کر آتا ہے۔ جس کا تجربہ ہمارے سامنے ہے۔ جس سے ملک و ملت دونوں کی تباہی کا ہر وقت خطرہ لاحق رہتا ہے۔ مردانہ جنس نے نسوانی جنس سے جمہوریت کی بازی ہاری ہے۔ اب تیسری جنس کی باری ہے۔

پاکستانی قوم اور ان کے لیڈر حضرات جمہوریت کی جتنی تعریفیں کرتے ہیں اگر اتنی تعریفیں اللہ تعالیٰ کی کرتے تو ان شاء اللہ سب جنتی ہو جاتے۔ اور جتنی حفاظت و حمایت یہ حضرات سرکاری و غیر سرکاری طور پر جمہوریت کی کرتے ہیں اگر اتنی حفاظت یا حمایت یہ حضرات قرآن یا نظام اسلام، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا سید الانام صلی اللہ علیہ وسلم کی کرتے تو ملک پاکستان پر اللہ تعالی کی رحمتوں کی بارشیں ہو جاتی اور ہر طرف خوشحالی اور سکون و اطمینان ہوتا۔ لہٰذا نہ ہم حاکم رہے نہ صحیح معنوں میں مسلم رہے ۔دین بھی گیا، دنیا بھی گئی۔

حضرت لاہوری رحمۃ اللہ علیہ نے سچ فرمایا تھا کہ:

"انگریز نے ہمارا دین چھینا، ہمارا تخت اور تاج چھینا اور ہم کو اسلام پر معترض بنا کر چھوڑ گیا۔" [ملفوظات لاہوری رحمۃ اللہ علیہ]

نقص یازدہم

جمہوریت اور منافقت

جمہوریت کے اصولوں میں سے ایک اصول یہ ہے کہ کہ جمہوریت میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی ہے۔ چنانچہ اسی اصول کے تحت آپ دیکھ رہے ہیں کہ روز روز نئے نئے انداز میں نئی نئی باتوں اور نئے نئے وعدوں کے ساتھ یہ بچے جمورے ہمارے پاس آتے ہیں۔ کل ایک آدمی کو ملک کا غدار اور بدترین کافر کہتے تھے اور آج وہ وفادار اور پکا مؤمن ہو جاتا ہے۔ کل ایک پارٹی ایسی تھی جس میں دنیا کے تمام قبائح موجود تھے لیکن آج وہی پارٹی تمام محاسن کا مجموعہ ہوتی ہے۔ کل ایک شخص لوٹا تھا، بکاؤ مال اور اصطبل کا گھوڑا تھا مگر آج وہ وزیر، مستقل مزاج، اصول پسند بن گیا۔ کل ایک پارٹی کے خلاف تحریک چل رہی تھی، بیسیوں آدمی مر کر شہید کے نام سے پکارے گئے تھے لیکن آج خود ہی اسی پارٹی میں شامل نظر آرہے ہیں۔ جب سوال کرنے والا پریشان ہو کر سوال کرتا ہے تو جواب ملتا ہے جناب جمہوریت میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی۔

جمہوریت اور سیاست کے اسی اصول کے تحت خارجہ پالیسیاں اور مذہبی رجحانات بنتے اور ٹوٹتے ہیں۔ مثلاً ابھی حزب اختلاف میں ایک پارٹی حزب اقتدار کی اسی پالیسی پر تنقید کرتی ہے کہ اس نے مسئلہ کشمیر کو خراب کر دیا، یہ لوگ اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں، سود کو جائز قرار دیتے ہیں، مذہبی امور کو پامال کرتے ہیں، لیکن کچھ دنوں کے بعد یہی حزب اختلاف جب برسر اقتدار آتا ہے اور انہیں غلطیوں کا ارتکاب کرتا ہے جن پر کل اس کو اعتراض تھا اور نیا حزب اختلاف اب انہیں امور میں نئے حزب اقتدار کو

مورد الزام ٹھہراتا ہے جن کے کرنے کے لئے کل وہ خود تیار نہیں تھا تو وہ سوال و استفسار پر جواب دیتے ہیں کہ یہ جمہوریت ہے، اس میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی ہے۔

اسی اصول کے تحت بڑے بڑے قد آور حضرات بک جاتے ہیں اور بھاری رقم وصول کر کے دوسری پارٹی میں چلے جاتے ہیں۔ لوگ طعنہ دیتے ہیں تو جواب ملتا ہے کہ جمہوریت میں کوئی بات حرف آخر نہیں ہوتی ہے۔ بے اصولی اور نفاق کے کیسے خوشنما اصول بنا رکھے ہیں۔

نقص دوازدہم

جمہوریت اور حزب اختلاف

دنیا میں ہر عقلمند کے ہاں ہر شعبہ میں اتحاد، یگانگت، ہم آہنگی اور اتفاق خوشحالی اور ترقی کی علامت ہوتی ہے اور اختلاف باعث نقصان ہوتا ہے، لیکن جمہوریت کی اس لعنت میں اختلاف کے لئے لوگوں کو پالا جاتا ہے، بنایا اور نبھایا جاتا ہے اور اسمبلی میں لایا جاتا ہے۔

اس غلط اصول سے بہت سارے مفاسد، افراتفری، بدمزگی، ناکامی اور نقصانات ہی سامنے آتے ہیں۔ ایک تو یہ مصیبت گلے پڑ جاتی ہے کہ اس مخالف گروپ کے بغیر کوئی فیصلہ قابل اعتبار سمجھا ہی نہیں جاتا ہے۔ ادھر وہ مسئلہ انتہائی نازک اور حساس نوعیت کا ہوتا ہے جو ایک دن میں حل ہونے کا تقاضا کرتا ہے اور ادھر ایک دن میں اجلاس نہیں بلایا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد بحث مباحثہ ہوتا ہے تو اس پر اتنا وقت لگ

جاتا ہے کہ وہ کام ہی خراب ہو جاتا ہے اور بعض اوقات ملک کو بڑا دھچکا لگتا ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

میں صبر ایوب کہاں سے لاؤں اے ساقی
خم آئے گا صراحی آئے گی اور پھر جام آئے گا

حزب اختلاف کے نام سے جس طرح ظاہر ہے اسی طرح یہ لوگ ہر بات میں اختلاف کو طبعی طور پر پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ آہستہ آہستہ اسی اختلاف سے حزب اقتدار کے پیر اکھڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہر جائز و ناجائز بات میں یہ لوگ کھڑے ہو جاتے ہیں اور مخالفت شروع کر دیتے ہیں۔ گالی گلوچ تو روز مرہ کا معمول ہے۔ لفنگوں کی طرح آوازیں کسنا اور جملے چسپاں کرنا تو معمولی بات ہے، ہاتھا پائی کی نوبت آجاتی ہے، گریبان چاک ہوتے ہیں، کرسیاں توڑی جاتی ہیں اور ایک دوسرے پر مائیک مارے جاتے ہیں، تب سیکورٹی آتی ہے۔ پھر مچھلی کو بدنام کرکے کہتے ہیں کہ مچھلی بازار بن گیا، مچھلی بازار نہیں یہ ٹوٹیل ہے۔ غیر صالح معاشرے کے غیر صالح افراد کا مجموعہ ہے۔ ہر فتنے کے مجموعے کا دوسرا نام ہے۔ اس میں جمہوریت کی تو نیک نامی ہے لیکن حکومت، بادشاہ اور بادشاہت کا منہ کالا ہو جاتا ہے۔

جس طرح حزب اختلاف ہر بات میں حزب اقتدار کی مخالفت کو ضروری سمجھتا ہے، اسی طرح حزب اقتدار بھی حزب اختلاف کی ہر بات کے مسترد کرنے کو فرض سمجھتا ہے۔ حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اسمبلی ہال میں اگر میں کلمہ طیبہ پڑھ لوں گا تو جناب بھٹو صاحب اس کا بھی انکار کر دیں گے۔ اس لئے یہ خیال تو محال ہے کہ اسمبلی ہال میں اسلام کی کوئی پیش رفت ہو سکتی ہے۔ دو ڈھائی سو کے ہال میں دس آدمیوں کی کیا حیثیت ہو گی۔ ؎

طرز جمہوری نہ تاج و کج کلاہی چاہیئے
ارے جس کے بندے ہیں اسی کی بادشاہی چاہیئے

نقص سیز دہم

جمہوریت اور شریعت

اس سے پہلے جن نقائص کا ذکر ہو چکا ہے وہ بھی بالواسطہ یا بلا واسطہ شریعت مقدسہ ہی کی روشنی میں تھے لیکن اب مختصر انداز سے واضح شرعی دلائل کی روشنی میں عرض کروں گا۔

(۱) جمہوریت کی بنیاد اقلیت اور اکثریت پر قائم ہے جبکہ قرآن و سنت نے اور دین اسلام کی بنیاد حق اور حقانیت پر رکھی ہے، چاہے اس کے پیروکار پوری دنیا میں پانچ ہی کیوں نہ ہوں۔

(۲) انبیائے کرام علیہم السلام کے قصص و واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تک اپنی قوم کو حق کی طرف بلارہے ہیں پوری قوم میں کم وبیش اسّی آدمی حق پر قائم ہیں۔ باقی پوری دنیا کفر پر قائم ہے تو جمہوری اصولوں کے تحت حضرت نوح علیہ السلام کو جمہور عوام کو حق طرف نہیں بلانا چاہیئے تھا بلکہ خود اپنے ساتھیوں کے ساتھ اکثریت کی طرف جانا چاہیئے تھا۔

(۳) اسی طرح کا معاملہ حضرت شعیب علیہ السلام اور حضرت ہود علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تھا۔ وہ ساری مخلوق کو

چھوڑ کر چند اصحاب کے ساتھ حق پر کیوں ڈٹے رہے، اذیتیں کیوں برداشت کرتے رہے اور اکثریت کے رُخ کو اقلیت کی طرف کیوں موڑتے رہے؟

(۴) مکہ کے پورے قریش ایک طرف، ان کا رُخ ایک طرف اور حضور اکرم ﷺ نے آکر کوہ صفا پر اکیلے کھڑے ہو کر پوری انسانیت کی اکثریت کو پانچ دس آدمیوں کی اقلیت، حق اور اہل حق کی طرف کیوں بلایا؟ اگر جمہوریت کے اصول دو ٹوک، ناقابل تردید و تنسیخ ہیں تو پھر یہاں ان اصولوں کو کیسے اپناؤ گے؟

(۵) غزوہ بدر میں ایک طرف ایک ہزار افراد ہیں اور دوسری طرف ۳۱۳ ہیں۔ یہ اقلیت اس اکثریت پر میدان کارزار میں جھپٹتی ہے اور تلواروں اور نیزوں کی نوکوں پر ان کو لیتی ہے، ان کے بڑے بڑے سرداروں کو قتل کرتی ہے۔ کیا اقلیت کا یہ فیصلہ اکثریت کے مقابلے میں صحیح تھا؟ اگر جمہوریت کے اصول اٹل اور دو ٹوک ہیں تو پھر اس واقعہ کو جمہوریت کے خلاف کہہ دو۔

(٦) انصار و مہاجرین کا تشکیل خلافت میں ابتداء میں مباحثہ ہوا۔ استحقاق کی بنیاد پر خلافت مہاجرین کے حوالے کر دی گئی۔ اگر جمہوریت کے اصول اٹل اور دو ٹوک ہیں تو پھر انصار اکثریت میں تھے، تو اس فیصلہ کو غلط کہہ دو، کیونکہ جمہوری حق ان کا بنتا تھا۔

(۷) کم و بیش ساٹھ ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سرزمین شام اور پھر مصر اور پھر فارس اور پھر صعید مصر میں بڑی بڑی جنگیں لڑی ہیں۔ یہ ٦٠ ہزار تھے اور مقابلہ میں لاکھوں انسان تھے۔ جن کی مجموعی تعداد کروڑوں بنتی ہے۔ اگر جمہوریت کوئی آسمانی نظام ہے تو پھر اس اقلیت کا اس اکثریت کا پیچھا کرنا دین اسلام کی نظریئے کی طرف بلانا اور اس پر ان کو مار کر قتل کرنا کہاں تک جائز ہو گا۔ قس علیٰ ہٰذا۔

(۸) چند سال پہلے لندن میں جمہوریت پسندوں نے ایک بل اسمبلی میں پیش کر دیا، جس میں یہ مطالبہ تھا کہ دو مرد اگر ایک دوسرے سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ان کو قانونی طور پر جائز قرار دینا چاہیئے۔ چنانچہ اسمبلی میں اکثریت سے یہ بل پاس ہوا اور اب وہاں دو مرد شادی کر سکتے ہیں، اور کرتے ہیں۔

(۹) ابھی پچھلے سالوں میں اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ لندن میں اسمبلی نے یہ بل پاس کر دیا ہے اگر داماد اپنی ساس کے ساتھ لڑکی کی موجودگی میں شادی کرنا چاہتا ہے تو ماں اور بیٹی دونوں سے نکاح کر سکتا ہے اور بیک وقت دونوں کو گھر میں رکھ سکتا ہے۔ چنانچہ اب وہ رکھتے ہیں، اکثریت سے بل پاس کر دیا۔

(۱۰) دنیا میں جو ممالک امریکی بلاک میں شامل ہیں اور وہاں جمہوریتیں قائم ہیں تو تمام کافر و مشرک، مجس، یہودی، عیسائی، بدھ مت، ہندو، پارسی اور منکر خدا جمہوریت کو اچھا سمجھتے ہیں۔ پاکستان میں جو پارٹیاں اسلام کے نام کو سننا گوارا نہیں کرتی ہیں وہ صبح و شام جمہوریت کے راگ الاپتی ہیں۔ اگر جمہوریت میں ایک ذرہ برابر بھی اسلام ہوتا تو اسلام کے یہ پکے دشمن کبھی بھی جمہوریت کا نام نہ لیتے۔ معلوم ہوا کہ جمہوریت میں اسلام کی بُو تک نہیں ہے۔ علمائے کرام کو خوب یاد رکھ لینا چاہیئے کہ جمہوریت میں اسلام تلاش کرنا وقت کا ضیاع ہے۔

کسے در صحن کاچی قلیہ جوید اَضَاعَ الْعُمُرَ فِیْ طَلَبِ الْمَحَالِ

"یعنی کھیر کے پیالے میں گوشت کی بوٹیاں تلاش کرنا فضول وقت ضائع کرنا ہے۔"

کچھ حضرات کہتے ہیں، کہ اسلامی جمہوریت۔ یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ اسلامی شراب، اسلامی فساد۔

(۱۱)چند سال پہلے پاکستان کی ایک مضبوط جمہوری اسمبلی کے مضبوط وزیر اعظم کا مضبوط حزب اختلاف تھا۔ حزب اختلاف میں علمائے کرام کا ایک مضبوط گروپ تھا۔ میں نے سنا ہے کہ علماء نے وزیر اعظم سے نفاذ اسلام کا مطالبہ کر دیا تو اس چالاک وزیر اعظم نے حزب اختلاف کے عظیم لیڈر اور بہت بڑے عالم سے کہا کہ آپ سب علماء اسلام کے متعلق اسمبلی میں مکمل بحث کریں تاکہ تمام ممبران سن سکیں۔

چنانچہ پندرہ دن تک علمائے کرام نے دین اسلام کی ہر پہلو کی خوبیاں بیان کیں۔ جب خوب تھک گئے تو وزیر اعظم نے کہا کہ واقعی اسلام تو ایک آفاقی نظام ہے، یہ بہت بہتر نظام ہے، لیکن آپ حضرات تو جانتے ہیں کہ یہ اسمبلی ایک جمہوری اسمبلی ہے۔ اس میں کوئی بھی بل ووٹنگ کے ذریعے سے پاس ہوتا ہے۔ چنانچہ جب ووٹنگ ہوئی تو انہیں علماء کا ووٹ اسلام کو مل گیا اور باقی سارے ووٹ خلاف چلے گئے اور علمائے کرام کی پوری محنت ضائع کر دی گئی۔

یہ واقعہ میں نے سنا ہے کہ اگر ہوا ہے تو بہت اچھا اور اگر نہیں ہوا تو خوب سمجھ لیں کہ حقیقت یہی ہے۔ لہٰذا اب اسلام کے نفاذ کے لئے وہ راستے تلاش کئے جائیں جن سے واقعی اسلام نافذ ہو سکتا ہو۔

جمہوریت کے راستے سے نہ اسلام آسکتا ہے اور نہ کبھی آیا ہے۔ جمہوری حکومت اگر یہود و نصاریٰ وغیرہ، غیر مسلم اقوام اپناتی ہیں تو ان کے پاس تشکیل حکومت کے لئے اپنے اس اختراعی و من گھڑت اصولوں کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ وہ اگر مجبور ہیں تو ٹھیک ہے کہ وہاں بچہ جمہورا ہے۔ لیکن اہل اسلام کے پاس تو دین اسلام کے زندہ اصول موجود ہیں۔ ان کے پاس قرآن و حدیث کی شکل میں حکومت کے لئے عظیم

الشان منشور ہے۔ یہی حکومت اسلامیہ کا دستور ہے۔ تو اگرچہ دنیا میں بچہ جمہور ہے لیکن مسلمان اس کی طرف کیا مجبور ہے؟

[اسلامی خلافت: ص ۱۴۱ تا ص ۱۷۷]

ووٹ کی شرعی حیثیت

گزشتہ صفحات میں جمہوریت کا تعارف اور اکابر علمائے دیوبند کا جمہوریت پر تفصیلی ردّ قارئین نے ملاحظہ فرمایا۔

یہاں صرف ایک سوال رہ جاتا ہے کہ اگر جمہوریت واقعۃً غیر اللہ کی حاکمیت پر مشتمل مغرب سے برآمد شدہ ایک کفریہ نظام ہے تو بعض اکابر نے ووٹ ڈالنے کو کیوں ضروری قرار دیا ہے اس لئے کہ ووٹ تو جمہوری نظام حکومت میں شامل ہونے کی پہلی سیڑھی اور خشت اوّل ہے۔

اس کے متعلق عرض ہے کہ واقعی ووٹ جمہوری نظام حکومت میں داخل ہونے کا ایک مضبوط، قوی اور ضروری دروازہ ہے اور بعض علماء نے ووٹ کو امانت اور وکالت اور شہادت سے تعبیر بھی کیا ہے لیکن غالبًا ان علمائے کرام نے جمہوری نظام کا گہری نظر سے مطالعہ نہیں فرمایا تھا ورنہ وہ اس قسم کا فتویٰ ہرگز نہ دیتے مزید یہ کہ یہ فتویٰ اس وقت کا دُہرایا جاتا ہے جب مغرب کی طرف سے برآمد شدہ یہ جمہوری نظام اتنا کھل کر سامنے نہیں آیا تھا جتنا کہ آج کل کھل کر اپنے تمام نظریات، عقائد و افکار کے ساتھ ہم سب کے سامنے ہے۔ اس لئے ادب کے دائرے میں رہتے ہوئے ہم یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یہ ان حضرات سے ایک اجتہادی غلطی ہوئی ہے۔

ووٹ چونکہ جمہوریت کی ریڑھ کی ہڈی ہے اس لئے اس کا سمجھنا اور اس کی شرعی حیثیت پر غور کرنا ضروری ہے۔

نمائندگان جمہور کی حاکمیت کا موجودہ نظام خیر القرون سے تو آیا نہیں اس لئے ووٹ کی تعریف قرآن وحدیث سے تو نہیں ملے گی، اس لئے ووٹ کی حیثیت واہمیت اور جمہوری عمل میں ووٹروں کے کردار کے تعین کے لئے وہی مصادر مستند ہوسکتے ہیں جو اس نظام کو بنانے اور چلانے والوں کے ہاں معروف و مشہور ہیں۔ اور پہلے گزر چکا کہ جمہوریت اور اس کا نظام حکومت کیا ہے؟ جب جمہوری نظام حکومت کا کفریہ ہونا سابق حوالہ جات سے معلوم ہوا تو اس کی طرف لیجانے والا ووٹ کا حکم بھی معلوم ہوگیا ۔

اگر کہا جائے کہ ہمارے فلاں بزرگ اور فلاں عالم اور مفتی صاحب نے جو فتویٰ دیا ہے ہم تو اس کے اندھے مقلد ہیں اور تحقیق اور تفتیش کئے بغیر ہم ان کی بات کو مانتے ہیں، تو عرض ہے کہ اس طرح جمود اور تقلید یقیناً مذموم تقلید کے زمرے میں آتا ہے۔

اکابر علمائے کرام کی وہ بات جو قرآن وحدیث، اجماع، قیاس، شرعی اصولوں کے مطابق ہو وہاں ہم سر تسلیم خم کرتے ہیں لیکن جہاں قرآن وحدیث، دلائل شرعیہ کے واضح اصول سے کسی عالم کی رائے متصادم نظر آتی ہے تو اس کو دائرہ ادب میں رہ کر ردّ کیا جانا اکابر کی گستاخی نہیں بلکہ عین ادب ہے، چنانچہ معروف عالم دین اور حضرت مولٰنا مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد رشید حضرت مولٰنا مفتی احمد ممتاز صاحب حفظہ اللہ "چار مسائل" نامی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں :

کسی نامور شخصیت کی رائے اور تحقیق کو محض اس کی شخصیت کی بناء پر مدلل رائے اور تحقیق پر ترجیح دینا:

آج کل عام ذہن یہ ہے کہ اگر کسی نامور اور مشہور شخصیت کی ایسی رائے اور تحقیق (جو بلا دلیل ہو یا مرجوح اور شاذ اقوال کی مرہونِ منت ہو) کے خلاف کوئی تحریراً یا تقریراً ایسی رائے اور تحقیق پیش کرے جو مدلل ہو اور اقوالِ راجحہ پر مبنی ہو تو نہ تو اس مدلل رائے اور تحقیق کو سنا جائے اور نہ ہی اس کو قبول کیا جائے، حالانکہ یہ ذہنیت خلافِ اصول ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی شخصیت کی شہرت کی وجہ سے مدلل بات کے ردّ کرنے کو ناجائز، جہلِ عظیم، احکامِ شرعیہ کو ٹھکرانے میں تہوّر اور دیدہ دلیری و بے باکی کہا ہے۔

کسی کی رائے اور تحقیق کے راجح اور معمول بہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ رائے اور تحقیق قوی دلائل اور اقوالِ راجحہ پر مبنی ہو، محض قائل کے عظیم المرتبہ ہونے یا اس کی شہرت اور علمی مقام سے اس کی رائے اور تحقیق کو ہرگز ہرگز راجح نہیں کہا جا سکتا۔

مخلوق کو اللہ تعالیٰ کے ارشاد، امتی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور مقلّد کو مجتہد کے اجتہاد میں چوں وچرا کا نہ حق حاصل ہے اور نہ ہی جائز، البتہ غیر مجتہد عالم کی رائے اور تحقیق پر علماء کو کلام کا حق حاصل ہے اور جہاں کسی عالم کی رائے اور تحقیق کے خلاف دوسرے ہم عصر علماء نے کلام کیا ہو وہاں علماء کے لئے فریقین کے دلائل میں غور کئے بغیر آنکھیں بند کر کے شخصیت اور شہرت کی وجہ سے کسی کی رائے اور تحقیق کو راجح قرار دینا اور عمل کرنا جائز نہیں۔ ایسی صورت میں علمائے عصر پر لازم ہے کہ

دلائل میں خالی الذہن ہو کر سنجیدگی اور انصاف سے غور کریں اور جو رائے اور تحقیق دلائل اور اقوالِ راجحہ پر مبنی ہو، اسے قبول کریں اگرچہ وہ مدلل رائے اور تحقیق کسی غیر معروف اور چھوٹے درجے کے عالم کی طرف منسوب کیوں نہ ہو۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے تو ان جبال العلم والفقہ جو آپ کے ہم عصر بھی نہ تھے بلکہ صدیوں پہلے گزرے تھے، کی وہ رائے اور تحقیق جو دلیل پر مبنی نہ تھی، پر کلام کر کے اس کو ردّ کیا ہے اور حضرات علمائے کرام اور محققین رحمۃ اللہ علیہم نے آپ کے اس کلام اور ردّ کو بنظرِ استحسان دیکھ کر قبول کیا ہے۔ کسی ایک معتبر عالم کا حوالہ پیش نہیں کیا جا سکتا کہ انہوں نے علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کے اس صنیع اور طرزِ عمل پر اعتراض کر کے کہا ہو کہ ان متقدمین کی شہرت اور مرتبہ کی وجہ سے ہم علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ کی مدلل تحقیق کو ردّ کرتے ہیں، جبکہ آج یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ہم عصر، شہرتِ یافتہ عالمِ دین کی اس رائے اور تحقیق جو بلا دلیل ہو یا کمزور دلائل اور اقوالِ مرجوحہ پر مبنی ہو، کے خلاف بھی کسی عالمِ دین کو مدلل رائے اور تحقیق پیش کرنے کا حق نہ مانا جاتا ہے، نہ اسے سنا جاتا ہے۔

علمائے کرام سے گزارش ہے کہ اس سوچ اور باطل نظریہ سے توبہ کر کے فریقین کے دلائل میں انصاف سے غور کر کے مدلل تحقیق کو قبول کیجیے۔

کسی شخصیت کے قول کی تضعیف سے اس کے قائل اور شخصیت کی تضعیف ہرگز لازم نہیں آتی:

چنانچہ حضرات فقہائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے اختلافی اقوال اس پر واضح دلیل ہیں۔ احناف رحمۃ اللہ علیہم، شوافع، حنابلہ اور مالکیہ رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال کی تضعیف بھی ثابت کرتے ہیں

اور اس کے باوجود ان حضرات کی عظمت اور احترام میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں ہوتی اور نہ کوئی اس سے ان حضرات کو ضعیف سمجھتا ہے۔

مفتی اعظم مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

عظمت کا قائل ہونا الگ چیز ہے اور رائے مختلف ہونا اور چیز ہے، قول کی تضعیف سے قائل کی تضعیف نہیں ہوتی، ہم حدیث کی مباحث میں بہت سے اقوال کی تضعیف کرتے ہیں مگر ان کے قائلین کی عظمت ہمارے قلوب سے محو نہیں ہو سکتی، اسی طرح ایک وقت امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو "منتحِل الحدیث" کہتے ہیں تو دوسرے وقت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی پیشانی پر بوسہ دے کر عرض کرتے ہیں:

"دعنی اُقبِّل رجلیک یا استاذ الاُستاذین ویا سیّد المحدّثین ویا طبیب الحدیث فی علله۔ [ارشاد القاری الی صحیح البخاری، ص:۳۶]

چونکہ عوام اور سطحی ذہن کے علماء اس اصل سے واقف نہیں اس لئے جس شخصیت کی رائے کی مخالفت کی جاتی ہے وہ خود بھی اور اس کے حواری اور حمایتی بھی عوام الناس کے ذہنوں میں مخالفین کی نفرت ڈالنے کے لئے یہ کہتے ہیں کہ فلاں اکابر کے خلاف ہے، فلاں کے دل میں اکابر کی عظمت نہیں، فلاں اکابر کے خلاف لکھتا اور بولتا رہتا ہے۔ اگر یہ لوگ ایسا دیدہ و دانستہ کرتے ہیں تو درخواست ہے کہ اس روش سے توبہ کرنی چاہیئے اور اگر غلط فہمی میں مبتلا ہیں تو اس تحریر اور حقائق سے غلط فہمی کو دور کرنا چاہیئے۔[بحوالہ چار مسائل: ص ۱۱ تا ص ۱۷]

اسلئے اب ووٹ کے متعلّق بعض علماء نے جو فتوٰی دیا تھا اس پر اب نظر ثانی اور تحقیقی کلام کی گنجائش ہے، ذیل میں ووٹ کی شرعی حیثیت جاننے کے لئے ہم قارئین کے سامنے معتبر علماء کی صرف تین تحریریں پیش کرتے ہیں، امید ہے کہ تحقیق کرنے والے حضرات خالی الذہن ہو کر بنظر انصاف ان کو بغور پڑھینگے اور سمجھنے کی کوشش کرینگے۔

(۱) ووٹ کی شرعی حیثیت معروف عالم دین حضرت مولٰنا مفتی حمید اللہ جان رحمۃ اللہ علیہ (سابق رئیس دار الافتاء والارشاد لاہور پاکستان) کی نظر میں

تحریر فرماتے ہیں:

" ووٹ موجودہ مغربی جمہوری نظام کی بنیاد ہے اور ووٹ چاہے امانت ہو، شہادت ہو یا وکالت ہو، ہر صورت میں موجودہ مغربی جمہوری نظام کے تحت ووٹ کا استعمال کرنا دراصل مغربی جمہوری نظام کی تائید، تصدیق اور اُسے عملاً تسلیم کرنا اور اسے تقویت دینا ہے جو کہ تعاون علی الاثم کے زمرے میں آتا ہے، مشاہدہ اور تجربہ سے ثابت ہے کہ موجودہ مغربی جمہوری نظام ہی بے دینی، بے حیائی اور تمام فسادات کی جڑ ہے اور خصوصاً اس میں اسمبلیوں کو حق تشریع (آئین سازی، قانون سازی) دینا سراسر کتاب و سنت اور اجماع امت کے خلاف ہے۔ اور ووٹ کا استعمال مغربی جمہوری نظام کو عملاً تسلیم کرنا اور اس کی تمام خرابیوں میں حصہ دار بننا ہے۔ اس لئے موجودہ مغربی جمہوری نظام کے تحت ووٹ کا استعمال شرعاً ناجائز ہے۔" واللہ اعلم

حمید اللہ جان

[رئیس دار الافتاء والارشاد، لاہور پاکستان، بحوالہ ماہنامہ سنابل کراچی مئی ۲۰۱۳ء جلد ۸، شمارہ ۱۱، ص: ۳۲]

(۲) حضرت مولٰنا مفتی ابو عمار (فاضل وفاق المدارس العربیہ پاکستان)، ووٹ کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

یاد رہے کہ " شریعت " قرآنی، آسمانی، رحمانی قانون ہے، جبکہ " جمہوریت " اسکے عین مقابل کفری، طاغوتی اور وضعی نظام ہے۔ اور ووٹنگ اس نظام کا بنیادی اور لازمی حصہ ہے، بلکہ اس نظام کے اندر ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ ووٹ ہی سے عوامی نمائندگان منتخب ہوتے ہیں اور انہی سے پارلیمنٹ وجود میں آتی ہے پھر صدر اور وزیر اعظم بنتے ہیں یعنی پورا جمہوری سسٹم اور نظام وجود میں آتا ہے، لہٰذا ووٹ کو شہادت (گواہی) یا مقدس امانت کہنا اور بطور دلیل قرآنی آیات پیش کرنا مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر درست نہیں، علماء کرام سے خصوصًا اور دین کا درد رکھنے والے مخلص مسلمانوں سے عمومًا ان وجوہ پر غور کرنے کی درخواست ہے۔

☆ شرعی شہادت (گواہی) میں مرد و عورت کے درمیان فرق قرآنی نص سے ثابت ہے، جبکہ جمہوریت میں ووٹ کے معاملہ میں مرد و عورت یکساں ہیں، غرضیکہ اگر یہ شہادت ہوتی تو چاہیئے یہ تھا کہ دو عورتوں کا ووٹ ایک مرد کے برابر ہوتا۔

☆ شریعت میں گواہوں کی عدالت (دینداری) کو شرط قرار دیا گیا ہے، جبکہ جمہوری نظام میں عدالت تو کیا کفر و اسلام کا بھی اعتبار نہیں، تو کیا کافر یا پرلے درجے کے فاسق و فاجر کی گواہی کا اعتبار ہو سکتا ہے؟ معلوم ہوا ووٹ شہادت نہیں۔

☆ شریعت میں جب کوئی امر شرعی گواہوں (مثلًا دو یا چار) کی گواہی سے ثابت ہو جائے تو اسکے بعد مزید دیگر گواہوں کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا کیونکہ شرع شریف نے گواہی کے لئے جو پیمانہ منتخب فرمایا ہے اسی کا اعتبار ہو گا۔ اس سے انحراف کی گنجائش

ہے ہی نہیں، جبکہ جمہوری نظام میں ووٹ اقلیت واکثریت پر مبنی ہے اس میں دو اور چار کی کوئی حیثیت ہے ہی نہیں، معلوم ہوا ووٹ شہادت نہیں۔

☆ شریعت غرّاء میں عالم اور جاہل، مسلم اور کافر کے درمیان فرق نصوص صریحہ سے ثابت ہے (سورۃ المجادلۃ آیت نمبر ۱۱) اس حساب سے انکی رائے میں بھی فرق ہوگا، جبکہ جمہوری نظام میں مسلم، کافر، عالم، جاہل بلکہ ایک بدکار عورت اور ممتاز عالم دین میں کوئی امتیاز نہیں، معلوم ہوا ووٹ شرعی رائے اور مشورہ بھی نہیں چہ جائیکہ یہ شہادت ہو۔

☆ شریعت میں اس بات کی گنجائش نہیں کہ دو فریق بلا کسی وجہ کے ایک دوسرے کے خلاف گواہی اور التزام تراشی کرنے لگیں بلکہ اگر کسی معاملہ میں اختلاف پیش آئے تو مدعی کے لئے گواہ پیش کرنا ہے، اور منکر کے لئے قسم، جبکہ جمہوری نظام میں ووٹ حاصل کرنے کا طریقہ سب کے سامنے ہے، تو یہ شرعی شہادت کیسے ہوئی؟ ہر طرف گواہیاں پیش ہو رہی ہیں۔ معلوم ہوا ووٹ شہادت نہیں۔

☆ شریعت میں گواہ اپنی مفاد کی خاطر گواہی نہیں دے سکتا، جبکہ جمہوریت میں ووٹر اپنے مفاد کی خاطر ہی ووٹ دیتا ہے، کما لا یخفٰی.

☆ اگر کوئی شخص کسی کو لالچ کی بناء پر گواہی کے لئے امادہ کرے، قطع نظر اس کے کہ جس معاملہ میں وہ گواہی دیتا ہے وہ حق بھی ہے یا نہیں؟ ایسے گواہ کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہوتا، جبکہ جمہوری نظام میں ہر ممبر (امیدوار) الیکشن سے پہلے ووٹروں کو اس کے حق میں ووٹ ڈالنے پر خوب آمادہ کرتا ہے وہ بھی عموماً جھوٹے وعدے کر کے، تو ایسے دھوکہ دیئے ہوئے شخص کی شہادت کا بفرض تسلیم کیسے اعتبار ہوگا؟

☆ شریعت میں حاکمیت اللہ تعالیٰ کا حق ہے! لا الٰه إلا الله ، إن الحكم إلا لله (الآیۃ نمبر ۴۰ سورۃ یوسف) ولا یشرک فی حکمہ احدًا۔ (سورۃ الکہف آیت نمبر ۲۶) ، جبکہ جمہوریت کا لغوی معنی "عوام کی حکومت" ہے جمہور بمعنی "عوام" اور "یت" بمعنی "حکومت" انگریزی میں اس کو "ڈیموکریسی" کہتے ہیں "ڈیمو" بمعنی "عوام" کے اور "کریسی" بمعنی "حکومت" کے ہے۔ تو ووٹر در حقیقت اپنے ووٹ سے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم بھی انہی لوگوں کے ساتھ عملاً شریک ہیں جو اللہ کی حاکمیت کے بجائے عوام کی حاکمیت کے قائل ہیں، کیونکہ انہی کے ووٹوں سے عوامی نمائندے منتخب ہو کر قانون ساز اسمبلی میں قانون سازی کرتے ہیں۔ اب بتایا جائے کہ! ووٹ شہادت ہے یا پھر............... ؟ بفرض محال اگر شہادت بھی مانی جائے تو یہ "شھادۃ زور" ہی ہوگی۔ جو کبیرہ گناہ ہے۔

☆ شریعت میں باپ کی گواہی بیٹے کے لئے اور بیٹے کی گواہی باپ کے لئے معتبر نہیں، اسی طرح میاں بیوی کی گواہی بھی ایک دوسرے کے لئے معتبر نہیں، مگر جمہوریت میں معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے، تو یہ کیسے شہادت ہوئی؟

☆ شریعت بذات خود ایک ایسا مستحکم اور مضبوط الٰہی قانون ہے کہ اس کو قانون ماننے کے لئے کسی دستخط، تصدیق یا رائے کی قطعًا ضرورت نہیں، جبکہ بعض سادہ مسلمان ووٹرز اپنے ممبرز کو ووٹ اس لئے دیتے ہیں کہ یہ قرآن اور شریعت کو ملک کا قانون قرار پانے کے لئے پارلیمان میں دستخط کے لئے پیش کریں۔ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے قانون (قرآن) کی کھلم کھلا بے حرمتی اور گستاخی نہیں؟ نیز اگر اس ملک کا دستور اور قانون اسلامی ہے تو پارلیمان میں بل کے ذریعے قانون الٰہی کو پاس کرانے کی کیا ضرورت ہے؟

اور اگر کہا جائے کہ ووٹ ایک امانت ہے، تو سوال ہو گا کہ یہ امانت بندوں کو کس نے تفویض کی؟ آیا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض ہوئی ہے یا جمہوریت نے تفویض کی ہے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں کہا گیا کہ جب تمہیں امیر مقرر کرنا ہو تو سب لوگ مل کر ووٹ ڈالا کرو، نہ ہی سنّت سے اور نہ ہی تعامل امّت سے اس عمل کا کوئی ثبوت ملتا ہے، ہاں! جمہوریت کی تفویض کردہ امانت ہو سکتی ہے مگر یہ باطل امانت ہے، یہ ایسی امانت ہے کہ جیسے کوئی شخص شراب کی بوتل آپ کے پاس امانت رکھنے آئے تو کیا اس بوتل کو دیکھتے ہی توڑنے کے درپے ہونگے یا حفاظت سے رکھنے کی کوشش کریں گے؟

اگر کوئی شخص قرآنی آیت "إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى اهلها" سے ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اس سے سوال ہے کہ متقدمین ومتأخرین محققین مفسرین میں سے کسی مفسر نے یہ تفسیر کی ہے؟ اگر نہیں کی اور یقیناً نہیں کی ہے تو پھر یہ امانت ہو کر مأمور بہٖ نہیں بلکہ تفسیر بالرائے ہے، نیز سلف صالحین نے انتخاب امیر کے لئے اس کو اختیار کیا تھا یا نہیں؟

نیز ووٹ مشورہ بھی نہیں، کیونکہ مشورہ سے متعلق جتنی بھی اسلامی تعلیمات ہیں وہ یہاں نہیں پائی جاتیں، مثلاً: ووٹنگ میں بلا قید جنس و مذہب ہر شخص حصہ لے سکتا ہے، کیا اسلامی نکتۂ نظر سے ایک اہم ترین کام کے لئے مشورہ اور رائے ہر شخص سے لیا جاسکتا ہے؟ مثلاً: کہیں اسلامی ریاست میں کسی جگہ قاضی مقرر کرنا ہو تو کیا اس کام کے لئے صرف علماء و صلحاء اور اتقیاء سے مشورہ لیا جائے گا یا ان کے ساتھ بھنگی، چرسی، زانی، شرابی، ڈاکو کو بھی مشورہ میں شامل کیا جائے گا؟

یا مثلاً کہیں بیماریوں کی آفت آگئی اور وہاں ماہر ڈاکٹروں کی اشد ضرورت ہے تو اس کے لئے ماہر ڈاکٹروں سے ہی مشورہ لیا جائے گا یا قصائیوں، نائیوں، طبلہ سارنگی بجانے والوں کو بھی مشورہ میں شامل کیا جائے گا؟ اسلام نے تو مشورہ کے بارے میں خاص تعلیمات دی ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ! حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ کے بعد ہمیں کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس کا حل بظاہر قرآن وحدیث میں نہ ملے تو ہم کس طرح عمل کریں؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اجمعوا له العابدین من امّتی واجعلوه بینکم شوریٰ ولا تقضوه برأی واحد'' [روح المعانی صفحہ نمبر ۶۵، ج ۲۵]

اس کے لئے میری امت کے عبادت گذاروں کو جمع کرلو اور آپس میں مشورہ سے اس کام کو انجام دو، فردِ واحد کی رائے سے فیصلہ نہ کرو۔

صاحبِ روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی حنفی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جو مشورہ اس طرح نہ کیا جائے بلکہ بے علم، بے دین (فساق، فجار) لوگوں میں دائر ہوگا تو اس کا فساد اس کی صلاح پر غالب رہے گا۔ [روح المعانی: ص ۶۵، ج ۲۵]

بعض لوگ ووٹ کو بیعت کہتے ہیں حالانکہ ووٹ بیعت کی عین ضد ہے، کیونکہ بیعت کا مطلب وصولِ ہدایت کے لئے عوام کا اپنے نفس کو کسی بلند تر ہستی کے سپرد کرنا ہے جبکہ ووٹ کا معنی عوام کی حکمرانی قبول کر کے حاکم کا خود کو ان کے نفس کے سپرد کر دینا ہے۔ دوسرے لفظوں میں بیعت عوام کی اطاعت کا مظہر ہوتا ہے جبکہ ووٹ ان کی حکمرانی کا۔

لہٰذا ووٹ نہ شرعی شہادت (گواہی) ہے نہ امانت ہے نہ شرعی مشورہ ہے اور نہ ہی بیعت، بلکہ درحقیقت سرمایہ دارانہ نظام میں جس طرح انسان اپنی آزادی وخود

مختاری کا اظہار سرمایہ کے ذریعے کرتا ہے، اسی طرح وہ اپنی آزادی کا اظہار ووٹ کے ذریعے بھی کرتا ہے۔ یعنی ووٹ جمہوری اور سرمایہ دارانہ مغربی نظام کا لازمی حصہ ہے، جمہوریت بمقابلہ شریعت یہ کہتی ہے کہ ہر فرد آزاد ہے، اس لئے ہر فرد کو رائے دینے کا اہل سمجھا گیا ہے، چاہے وہ کتنا ہی ناقص العقل اور ناسمجھ ہی کیوں نہ ہو، اور یہ اپنی آزادی کے لئے اپنے اختیار سے ووٹ کے ذریعے اپنا نمائندہ منتخب کرتا ہے تاکہ وہ پارلیمنٹ پہنچ کر عوام کی چاہت کے مطابق قانون سازی کرے، جبکہ شریعت میں قانون پہلے سے اللہ تعالیٰ نے بنایا بھیجا ہے وہ فقط نافذ کرنا ہے۔ اسلام میں قانون بنانے کا حق اللہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں، حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ بھی یہ ارشاد فرما گئے ہیں ''لیس بی تحریم ما احل الله''، یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال کر دی ہے مجھے بھی اسکو حرام ٹھہرانے کا حق نہیں۔ الحاصل! ووٹ ایک آزاد، نافرمان، باغی و طاغی انسان کی رائے کا نام ہے۔

مسلمانوں کو کچھ سوچنا بھی تو چاہیئے کہ کتنے سالوں سے ووٹ دے کر جمہوریت جیسی مغربی چیز کی کوکھ سے اسلام درآمد ہونے کی ہم نے امیدیں وابستہ کیں لیکن سب دیکھ سکتے ہیں کہ جمہوریت بلکہ نام و نہاد اسلامی جمہوریت کے ذریعے بھی ہم اسلامی انقلاب نہ لا سکے، البتہ ووٹ اور جمہوری جد و جہد کے نتیجے میں معاشرے میں سیکولرازم اور سرمایہ داری کے عمل کو اور ترقی اور تقویت ملی۔

بعض مذہبی سیاسی جماعتوں کی ناکامیوں کی اصل وجہ ان کی غلط فہمیوں پر مبنی یہ رویہ ہے کہ جمہوری سیاسی عمل احیائے اسلام کے حصول کا ایک ذریعہ ہے، بلکہ بعض تو اسے اسلامی نظام اقتدار کا لازمی نتیجہ سمجھتے ہیں۔ سیاسی مذہبی جماعتیں جب جمہوری جد وجہد کو اپنا شعار بناتی ہیں تو بالآخر اغراض و حقوق ہی کی سیاست کرتی دکھائی دیتی ہیں اور

ہر ایسا ہتھکنڈا استعمال کرتی ہیں جس کے نتیجے میں انہیں عوامی مقبولیت حاصل ہو جائے، چاہے اس کی قیمت انہیں اپنے اصولی مؤقف کی قربانی اور دیگر دینی تحریکات سے دوری سے دور سے دور تر ہونے کی صورت ہی میں کیوں نہ دینی پڑے۔ چنانچہ ایک طرف تو جمہوری تحریکیں غلبۂ دین کا نعرہ لگاتی ہیں جو اس بات کا متقاضی ہے کہ افراد کا تزکیۂ نفس اس حد تک ہو جائے کہ وہ راہِ خداوندی میں دیوانہ وار ہر قسم کی قربانیاں دینے پر آمادہ ہو جائیں۔ لیکن دوسری طرف جس بنیاد پر لوگوں سے ووٹ مانگتی ہیں وہ انکے اغراض و حقوق کا تحفظ ہے یعنی وہ ان سے کہتی ہیں کہ ہمیں اس لئے ووٹ دو کیونکہ ہم تمہارے مسائل حل کر دیں گے۔ فیا للعجب!

کیا رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس بنیاد پر اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی کہ اسلام لانے کے بعد تمہیں خوب مزے آئیں گے؟ یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ آخر مسائل کے حل کرنے کے وعدے پر ووٹ لے کر یہ جماعتیں کس طرح لوگوں سے قربانی لینے کی توقع رکھ سکتی ہیں؟ قربانی دینے کا نظریہ شروع سے دینا اس لئے ضروری ہے کہ فرض کریں کل کو یہ مذہبی جماعتیں اسلام نافذ کر دیں تو مغرب یہود و نصاریٰ ان کو یوں ہی چھوڑ دیں گے؟ ان پر اقتصادی و سیاسی پابندی عائد نہیں کریں گے کیا؟ اس وقت یہ لوگوں سے کیا کہیں گے؟

جن علماء نے ووٹ کی شرعی حیثیت بیان کرتے ہوئے اسے شہادت یا امانت ہونے کے فتاویٰ جاری فرمائے ہیں غالباً انہوں نے اس پورے جمہوری نظام کا گہری نظر سے مطالعہ نہیں فرمایا ورنہ وہ ضرور اس قسم کے فتاویٰ صادر کرنے سے اجتناب کرتے نیز جس وقت کا یہ فتویٰ دہرایا جا رہا ہے اس وقت اسلام کے خلاف یہ نظامہائے مغرب اتنے کھل کر سامنے نہیں آئے تھے۔ چند اہلِ علم نے منصوص نہ ہونے کے

باوجود ''شاید'' کے فلسفے کے تحت اس کو اختیار کیا تھا۔ مگر مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی، چنانچہ ماضی قریب کے مایہ ناز عالم ربانی حضرت مولنا مفتی نظام الدین شامزئی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبات شامزئی (ص ۲۰۳/۲۰۴، ج ۱) میں ارشاد فرمایا ہے کہ ہمارے علماء نے اڑتالیس سال اس جمہوری سیاست میں ضائع کیے اور میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ یہ لوگ اگر اڑتالیس ہزار سال بھی اسی طرح لگے رہیں تو اس طریقے پر اسلام نہیں لا سکیں گے، لکل فن رجال ۔

موجودہ صورت حال میں کیا کیا جائے ؟؟؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ '' لا یلدغ المؤمن من جحر واحدٍ مرتین ''

کہ مؤمن کو ایک ہی سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا........ الیکشن ایسا سوراخ ہے کہ پوری قوم بارہا مرتبہ جمہوری سانپ سے ڈسی گئی ہے، متعدد بار کے تجربات سے واضح ہو چکا ہے کہ اب من حیث الامۃ ہمیں اس ناجائز اور بے سود تماشے سے اجتناب برتنا ہو گا اور دانستہ یا نادانستہ طور پر اس مغربی نظام کو کندھا دینے کے جرم عظیم سے اللہ تعالیٰ کے حضور توبہ کرنا ہو گا، بلکہ ہمیں اس طریقہ کار کی طرف پلٹنا ہو گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا، جس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلافِ امت رحمۃ اللہ علیہم نے تعامل فرمایا، یہ راستہ دعوت الی القرآن اور جہاد و انقلاب کا راستہ ہے اور یہی سبیل المؤمنین ہے۔

لہٰذا تمام عوام اور خواص سے اپیل کی جاتی ہے کہ اس طاغوتی نظام کو سمجھنے کی کوشش کریں اور شریعت اور اسلام کے منافی اس نظام کا حصہ بننے یا اسے تقویت دینے سے اجتناب کریں اور ''دینی الاسلام'' میرا قانون صرف اور صرف اسلام ہے کا نظریہ رکھ کر اس قانون کے نفاذ کے لئے تین کام کریں۔

(۱) انفرادی سطح پر تزکیہ عقائد، اعمال و اخلاق

(۲) معاشرے کی سطح پر دعوت و نصیحت کا

(۳) ریاست کی سطح پر خلافت کے احیاء کا اہتمام کریں۔

قوی امید ہے کہ اس طرح ہماری دنیا بھی سنورے گی اور آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے حضور سرخرو ہونگے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ، وما علینا الا البلاغ

اللھم اِرنا الحق حقًا وارزقنا اتباعه واِرنا الباطل باطلًا وارزقنا اجتنابه۔

(۳) شیخ الحدیث فاضل محقق نوجوان حضرت مولٰنا ڈاکٹر شمس الہدیٰ صاحب حفظہ اللہ "ووٹ کی شرعی حیثیت، تصویر کا حقیقی رُخ غور و فکر کے نئے زاویئے" کے عنوان سے تحریر فرماتے ہیں:

ووٹ جمہوری نظام کا اساسی جز اور بنیادی رکن ہے، ووٹ جمہوریت کی تشکیل میں کلیدی عنصر ہے، جمہوری نظام اپنے تمام تر پرزوں کے ساتھ انسانوں کا بنایا ہوا خود ساختہ نظام ہے، نہ کہ اللہ کا نازل کردہ نظام، اس نظام کے کسی جز کو اپنے دوسرے اجزاء سے الگ کر کے نہیں دیکھا جا سکتا، اگر کسی عالم سے لغزش ہوئی ہو تو یقینًا وہ اجتہادی خطا کی وجہ سے عند اللہ مأجور ہیں، مگر حق واضح ہونے کے بعد اس غلطی پر اصرار انتہائی خطرناک اور موجب غضبِ الٰہی ہے، (زلة العالِم زلة العالَم)

آیئے! اب جائزہ لیتے ہیں کہ ووٹ کیا ہے؟

نمبر ۱:۔ کہا جاتا ہے کہ ووٹ شہادت ہے۔ شہادت کی شرعی تعریف فقہاء نے لکھی ہے ''الشهادة اخبار صادق فی مجلس الحکم بلفظ الشهادة''

[حاشیہ ہدایہ: جلد ۳ للعلامۃ اللکھنوی]

شہادت کے لئے درجِ ذیل چیزیں ضروری ہیں:

(۱) خبر دینا (۲) مجلس حکم کا ہونا (۳) مشہود بہ کا مشاہد ہونا اور معین ہونا (۴) لفظ شہادت کا ہونا........ جب کہ ووٹ میں ان میں سے کوئی نہیں پائی جاتی، ووٹ کسی شخص کے لکھے ہوئے نام کے سامنے بنے ہوئے کسی نشان پر تنہائی میں ٹھپہ لگانے کو کہتے ہیں، تاکہ وہ شخص کسی فورم یا ادارے کا رکن یا سربراہ بن جائے، اور اس کے اندر حکمران بننے یا بنانے کی اہلیت وولایت پیدا ہو جائے، تو یہ انشاء ہوا نہ کہ اخبار، لہٰذا اس میں نہ تو اخبار ہے نہ مجلس حکم، نہ مشاہدہ ومعائنہ، نہ لفظ شہادت، نہ اس شہادت پر مترتب ہونے والی قضائے قاضی۔ یہ تو بات ہوئی ارکانِ شہادت کی اور رکن کے انتفاء سے اصل شئ کا منتفی ہونا اہلِ علم کے ہاں مسلم ہے۔ رہیں شہادت کی شروط، تو وہ بھی یہاں نہیں پائی جاتیں، نہ عدد کی حد ہے نہ عدالت کی، مرد وعورت، آزاد غلام، فاسق وفاجر، چور بدعنوان، زانی ڈاکو، قاتل وصالح بلکہ مسلم وکافر حتیٰ کہ عقلمند وپاگل وبے وقوف سب برابر ہیں۔ خاص طور پر علماء کی توجہ کے لئے عرض کرونگا کہ ووٹ کو شہادت قرار دینا بداہتہً غلط ہے اس لئے کہ شہادت دلالت لفظیہ کے قبیلے سے ہے اور ووٹ دلالتِ غیر لفظیہ ہے ''والشئ لا یحتمل ضدہ'' کا قانون مسلم بین العقلاء ہے۔

(۲) اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ووٹ سفارش ہے، حالانکہ یہ سفارش بھی نہیں کیونکہ (۱) سفارش کا مطلب تو یہ ہے کہ ووٹر اپنے پسندیدہ امیدوار کو رکن بنانے کی کسی اتھارٹی کو سفارش کرے اور یہاں تو وہ کسی کو سفارش نہیں کر رہا بلکہ اپنا حکم اور فیصلہ صادر کر رہا ہے کہ میں نے اس شخص کو اپنا نمائندہ اور رکنِ اسمبلی بنادیا ہے۔

(۲) اگر کسی اتھارٹی کو سفارش ہے تو سوال یہ ہے کہ وہ اتھارٹی اور حکومت تو ابھی وجود میں ہی نہیں آئی، بلکہ خود اس کا وجود اس رکن کے ووٹ پر موقوف ہے، یہ بھی عقلاً باطل ہے، کیونکہ یہ دور اور ''**توقف الشئ علی نفسه**'' کو مستلزم ہے۔

(۳) اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ووٹ مشورہ ہے، در حقیقت یہ مشورہ بھی نہیں، جس کو دیا جارہا ہے وہ خود ابھی وجود میں نہیں آیا علاوہ ازیں مشورہ کا ماننا لازم نہیں ہوتا لیکن ایسا نہیں، نیز یہاں مشورہ نہیں بلکہ تعیین اور تقرر ہے۔

(۴) اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ووٹ امانتِ شرعیہ ہے، مگر یہ بھی ڈھکوسلہ ہے اور حقیقت میں ووٹ امانت بھی نہیں، کہ جب جمہوری نظام خود ساختہ اور غیر شرعی ہے کیونکہ ووٹ کے ذریعہ جمہور یعنی عوام کی حاکمیت قائم ہوتی ہے جو کہ جمہوریت مقصدِ اصلی اور بنیادی منشاء ہے جیسا کہ جمہوریت کی تعریف سے واضح ہے جبکہ اسلام غیر اللہ کی حاکمیت کو شرک قرار دیتا ہے۔ تو ووٹ امانتِ شرعیہ کیسے ہوئی؟ عوام کا حکمرانوں کو اپنے ہاتھوں سے تراش کر ان کی اطاعت کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ بت پرستوں کا اپنے ہاتھوں سے بت تراش کر ان کی عبادت اور اطاعت کرنا۔ اسی لئے تو جمہوری نظام میں حکمران کی کوئی وقعت اور وقار نہیں ہوتا۔ ہر طرف سے دباؤ اور بلیک میلنگ کا شکار ہوتا رہتا ہے۔

نمبر ۵ :۔ کہا جاتا ہے کہ ووٹ وکالت ہے یہ بھی غلط ہے (۱) عقود خلوت میں یکطرفہ طور پر اکیلے میں منعقد نہیں ہوتے شریعت میں ان کی کوئی نظیر نہیں (۲) جب ووٹ گنے جاتے ہیں تو پتہ نہیں چلتا کہ کونسا ووٹ کس کا ہے لہٰذا جب وکیل صاحب کو مؤکل کا علم ہی نہیں تو انعقادِ وکالت کیسے؟ شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں (۳) اگر وکالت ہے تو ہارنے والا بھی وکیل بننا چاہیئے۔ شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں کہ

مؤکل وکیل کا تقرر کرے اور وہ وکالت کی تمام شرعی شرائط پر پورا اترے پھر بھی وکیل نہ بن سکے (۴) اگر وکالت ہے تو شریعت میں مؤکل جب چاہے وکیل کو معزول کر سکتا ہے یہاں کیوں نہیں؟ (۵) جب نمائندہ اپنے فورم سے استعفیٰ دے کر پھر واپس لے لیتا ہے تو وہ اپنی سیٹ پر برقرار رہتا ہے حالانکہ شریعت میں جب وکیل وکالت سے دستبردار ہو جاتا ہے تو پھر خود سے وہ دوبارہ وکیل نہیں بن سکتا جب تک مؤکل نہ بنائے۔

نمبر ۶:۔ شریعت میں اس کی کوئی مثال نہیں کہ کچھ افراد ایک شخص کو وکیل بنائیں اور دوسرے کسی اور کو اور پھر کچھ افراد کا منتخب کردہ ان کا بھی وکیل بن جائے جنہوں نے اس کو نہیں بنایا۔

نمبر ۷:۔ بلا مقابلہ انتخاب کی صورت میں تو کسی نے کسی کو نہ وکیل بنایا، نہ مشورہ دیا، نہ شہادت، نہ امانت کی صورت بنی، شرعاً اس کی کیا حیثیت ہو گی؟

منحوس جمہوری نظامِ حکومت گناہوں کا مجموعہ

اب آیئے اس گناہوں کی مختصر فہرست کی طرف جن کا یہ نظام (جمہوریت) مجموعہ ہے، بلکہ ان میں تو کئی گناہ باعثِ کفر ہیں۔

۱۔ حکومتِ الٰہیہ اور نظامِ خلافت کے مقابلہ میں جمہور کی حکومت قائم کرنا۔

۲۔ قانون سازی کا اور ترمیم کا اختیار حکومت و پارلیمان کو دینا۔

۳۔ غیر مسلم کفار کو ارکانِ اسمبلی و حکومت بنانا۔

۴۔ عورتوں کو ارکانِ اسمبلی و سربراہِ حکومت بنانا۔

۵۔ فیصلے اکثریت کی بنیاد پر کرنا۔

۶۔ حکمرانوں کا خدا کی جگہ عوام کے سامنے جوابدہ ہونے کا انعقاد۔

۷۔ اظہارِ رائے کے نام سے بے لگام آزادی، جو کہ مفضی الی الارتداد ہے۔

۸۔ پارلیمنٹ کو سپریم سمجھنا۔

۹۔ عوام کو قوت کا سرچشمہ سمجھنا۔

۱۰۔ عوام کو تنظیم سازی اور پارٹیاں بنانے کا حق دینا۔

۱۱۔ شریعت اور قرآن و سنت پر آئین کی بالادستی اور آئین کو قرآن و سنت سے زیادہ اہمیت دینا۔ (اس کے علاوہ بھی بڑے بڑے گناہ ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں)

انتخابات اور ووٹوں کے موقع پر ہونے والے گناہ

۱۔ مسلمان کا مسلمان کے مقابلے میں حریف بن جانا حتیٰ کہ علماء بھی، حالانکہ مسلمان کا حریف اللہ تعالیٰ نے کافر و منافق کو بنایا ہے نہ کہ مسلمان کو، بلکہ مسلمان تو مسلمان کا حلیف ہوتا ہے۔

۲۔ مسلمانوں کا مختلف تنظیموں اور پارٹیوں میں بٹنا اور امتِ واحدہ کے تصور کی بیخ کنی ہونا۔

۳۔ برادریوں، پارٹیوں اور قومیتوں کے تعصب میں مبتلا ہونا۔

۴۔ بلند و بانگ دعوے اور جھوٹے وعدے کرنا۔

۵۔ وعدہ خلافی کرنا۔ ۶۔ مسلمانوں کو منافق اور ذوالوجہین بنانا۔

۷۔ بے تحاشا جھوٹ بولنا۔ ۸۔ ایک دوسرے کی غیبت کرنا۔

۹۔ سب و شتم اور گالم گلوچ کرنا۔ ۱۰۔ بہتان تراشی و الزامات کی بوچھاڑ۔

۱۱۔ رشوت دے کر ووٹ خریدنا۔ ۱۲۔ ایک دوسرے کے عیوب کی پردہ دری کرنا۔ ۱۳۔ اسراف و تبذیر اور مسلمانوں کے قیمتی مال کا ضیاع۔

۱۴۔حبِ جاہ کا پیدا ہونا۔

۱۵۔ مختلف طریقوں سے ایک دوسرے کی تذلیل کرنا استہزاء سخریہ اور ہنسی مذاق اڑانا یعنی اکرامِ مسلم کے تصور کی نفی۔

۱۶مسلمانوں کو ڈرانا دھمکانا۔

۱۷۔امتِ مسلمہ کے معاملات و مصائب سے لاتعلقی اختیار کرنا۔

۱۸۔معاہدہ توڑنا۔ ۱۹ ۔حب دنیا کا پیدا ہونا۔

۲۰۔دشمنی و قتل اور خونریزی تک کا ارتکاب۔

۲۱۔ قیمتی وقت ان جمہوری تماشوں میں ضائع کرنا۔

۲۲۔تصویر اور فوٹو کھنچوانا۔

۲۳۔ تکبر خصوصًا جو جیت جائے اس کا تکبر قابلِ دید ہوتا ہے۔

۲۴۔مسلمانوں کے املاک کو نقصان پہنچانا۔

۲۵۔ گانا بجانا اور میوزک کا استعمال۔

۲۶ ۔ عورتوں کی بے پردگی اور بلا ضرورت (الیکشن مہم اور ووٹ کی خاطر) گھروں سے نکلنا۔

۲۷۔ قومی وسائل کا بے دریغ استعمال۔

۲۸۔اپنے اپنے امیدوار کی اس کے منہ پر تعریف کرنا۔

۲۹۔خوشامد اور چاپلوسی کرنا۔ ۳۰۔نااہلوں کو نمائندگی اور حکمرانی دینا۔

۳۱۔ووٹ کی خاطر حق بات کہنے سے گریز کرنا یاہاں میں ہاں ملانا۔

۳۲۔کفر، ظلم اور گناہ پر معاونت اور مدد کرنا۔

۴۳۔ مسلمانوں کو ایذاء دینا مثلاً راستے بند کرنا، تیز آواز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا۔

۴۴۔ اپنے مسلمان بھائی کی رسوائی، شکست اور تکلیف پر اظہارِ شماتت اور خوشی۔

نظامِ جمہوریت اور جمہوری انتخابات کی وجہ سے مسلمان ان عظیم گناہوں کا ارتکاب کرتے رہتے ہیں ان میں سے ایک گناہ ہی اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کو دعوت دینے کے لئے کافی ہے۔ چہ جائیکہ ان تمام نافرمانیوں کا کھلم کھلا ارتکاب۔ کیوں نہ اس نظامِ جمہوریت سے چھٹکارا حاصل کرکے اللہ تعالیٰ کے قہر کو دعوت دینے والے ان خطرناک گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں۔